قائداعظمؒ اور اقلیتیں

















محمد حنیف شاہد

قائد اعظمؒ اور اقلیتیں

پروفیسر محمد حنیف شاہد



نظریۂ پاکستان ٹرسٹ

کتاب	:	قائداعظمؒ اور اقلیتیں
مصنف	:	پروفیسر محمد حنیف شاہد
ناشر	:	نظریۂ پاکستان ٹرسٹ
طابع	:	نظریۂ پاکستان پرنٹرز
مہتمم اشاعت	:	رفاقت ریاض
ڈیزائنر	:	مسز شازیہ احمد
کمپوزر	:	نوید انور
اشاعت دوم	:	جون 2009ء
تعداد اشاعت	:	1000
قیمت	:	-/155 روپے

Published by
Nazaria-i-Pakistan Trust
Aiwan-i-Karkunan-i-Tehreek-i-Pakistan,
Madar-i-Millat Park, 100-Shahrah-i-Quaid-i-Azam, Lahore.
Ph. 9201213-9201214 Fax. 9202930 E-mail: trust@nazariapak.info
Web: www.nazariapak.info

Printed at: Nazaria-i-Pakistan Printers,
10-Multan Road, Lahore. Ph: 7466975



ابتدائی کلمات

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کی غرض و غایت یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے مقاصد اور اس کیلئے دی جانے والی قربانیوں کو اُجاگر کیا جائے' نظریۂ پاکستان کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اہلِ وطن بالخصوص نئی نسل کو پاکستان کی نظریاتی اساس اور عظیم تاریخی و تہذیبی ورثے سے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے وطن عزیز کی نئی نسل کو اپنی سرگرمیوں کا محور و مرکز بنایا ہے کیونکہ ہماری نسلِ نو ہی ہمارے ملک و قوم کا مستقبل ہے اور ان کے فکر و عمل کو علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے افکار و کردار کے سانچے میں ڈھال کر ہی ہم اپنے مستقبل کو زیادہ روشن اور محفوظ بنا سکتے ہیں۔ اس کے لئے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ ایک ہمہ جہت پروگرام پر عمل پیرا ہے جس میں مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ اہم ترین حیثیت کا حامل ہے۔ ان مطبوعات کے ذریعے ہم نئی نسل کو نظریۂ پاکستان، تحریکِ پاکستان اور مشاہیر تحریک پاکستان کے افکار و تصورات کے بارے میں نہایت سادہ زبان میں آگہی فراہم کر رہے ہیں اور ان میں اپنے ملک و قوم کے حوالے سے احساسِ تفاخر پیدا کر رہے ہیں تاکہ وہ مستقبل میں اپنی قومی ذمہ داریوں سے زیادہ احسن انداز میں عہدہ برآ ہو سکیں۔

قائداعظمؒ کی بے لوث اور عہد ساز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے جان و مال اور عزت و آبرو کی بیش بہا قربانیاں پیش کر کے اگرچہ پاکستان تو

حاصل کرلیا مگر ہم اسے قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کے مطابق اسلامی نظریۂ حیات کا قابلِ تقلید نمونہ نہیں بنا سکے۔ بانیٔ پاکستان کے وصال کے بعد قوم کے نام نہاد قائدین نے ان کے نظریات سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنا کر اس ملک کو فوجی و سول آمریتوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے تصورِ پاکستان اور قائداعظمؒ کی جدوجہد کے باعث اگرچہ ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط اور غلبے سے نجات حاصل ہوگئی مگر آج ہم ایک دوسری طرح کی غلامی کے شکنجے میں جکڑے گئے ہیں جس سے نجات کے حصول کے لئے ہمیں از سر نو قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ صرف اسی طرح ہم وطنِ عزیز کو ایک جدید اسلامی، فلاحی اور جمہوری مملکت بنانے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

قائداعظمؒ کی زیرِ قیادت تحریک پاکستان میں طلباء و طالبات نے ہر محاذ پر مسلم لیگ کے ہراول دستے کا کردار ادا کیا تھا اور ان کی شب و روز جدوجہد کے طفیل برصغیر کا ہر گوشہ "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" کے روح پرور نعروں سے منور ہوگیا تھا۔ بابائے قوم نے بارہا ان کی خدمات کو سراہا تھا اور ان پر اظہارِ فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "یہی ہیں وہ مردانِ عمل جو آئندہ ہماری قوم کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔" مجھے قوی اُمید ہے کہ زیرِ نظر تصنیف کا مطالعہ ہماری نئی نسل میں اس عقابی روح کو بیدار کردے گا جو تحریکِ پاکستان کا طرّۂ امتیاز تھی اور وہ نظریۂ پاکستان کی مبلّغ بن کر پاکستان کو علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے رہائی دلا کر وطنِ عزیز کی کشتی ساحلِ مُراد تک پہنچائے گی۔

(مجید نظامی)

چیئرمین

فہرست

پیش لفظ

یہ نہایت قابلِ افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ مسلم دورِ حکومت میں بعض مسلمانوں نے غیروں کے ''حاشیہ بردار'' کا ادا کیا جنہیں بابائے قوم، بانیِ پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے ''ففتھ کالمسٹ'' کوئز لنگ اور ٹریٹر (غدار) جیسے الفاظ سے خطاب کیا ہے اور تادمِ تحریر یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران بھی ہمارے مسلمان زعما خصوصاً قائداعظمؒ کے راستے میں ایسے لوگ آئے لیکن آپ نے اپنی بے مثل اور بے مثال فہم و فراست، بصیرت اور قانونی مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف ایسے بدنہاد عناصر کا مقابلہ کیا بلکہ مسلم ہند کو ان عناصر سے خبردار فرمایا۔

تحریکِ پاکستان کے دوران قائداعظمؒ کو ایک نہیں، چار پانچ طاقتوں اور قوتوں سے واسطہ پڑا۔ ان میں سرفہرست برطانوی حکومت، دوسرے نمبر پر ہمارا سب سے بڑا اور ازلی دشمن ہندو (اور ان کے ساتھ سکھ) تیسری طاقت ہندوستانی ریاستوں کے راجے اور مہاراجے اور چوتھے نمبر پر وہ عناصر یا تنظیمیں تھیں جن کا نام لیتے ہوئے نہ صرف شرم آتی ہے بلکہ دکھ ہوتا ہے کیونکہ وہ تمام مسلم تنظیمیں اور جماعتیں تھیں جن سے قریباً ہر مسلمان واقف ہے۔ ان میں جمعیتِ علمائے ہند، احرار، خاکسار، شیعہ، مومن اور آزاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان جماعتوں نے نہ صرف قائداعظمؒ پر رکیک حملے کیے بلکہ تحریکِ پاکستان کے دوران سدِ راہ بنی رہیں۔

انگریزوں کے باوصف ہندوؤں نے ہر قدم پر مخالفت کی اور سب سے تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ ''مسلمانوں کے قومی تشخص انفرادیت اور ایک منفرد اور الگ قوم کے وجود سے انکار کیا بلکہ ہمیشہ مسلم ہند کو اقلیت قرار دیا اور قدم قدم پر یہ اعلان کیا کہ ہندوستان

میں صرف اور صرف دو طاقتیں یعنی انگریز اور کانگرس (مراد ہندو لیڈر) ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہندو لیڈروں مسٹر گاندھی اور نہرو نے بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ مسلمانوں کی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ اور یہ کہ مسلمان ایک منفرد اور علیحدہ قوم ہیں' اس ناقابلِ تردید حقیقت سے انکار کر دیا۔ مسٹر گاندھی نے 20 مارچ 1940ء کو اعلان کیا ''میرے نزدیک ہندو' مسلمان' پارسی اور ہریجن برابر ہیں'' یہ کہہ کر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو برابری کا درجہ نہیں دیا بلکہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ''تمام ہندوستانی — ہندو' مسلمان' پارسی' ہریجن' سکھ' عیسائی سب ملا کر ایک قوم ہیں''۔

اُنہوں نے نہ تو مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور منفرد قوم مانا کیا اور نہ مسلمانوں کا ''جداگانہ قومی تشخص'' تسلیم کیا بلکہ مسلمانوں کو اقلیت سمجھتے رہے جبکہ قائداعظمؒ اور دوسرے تمام مسلم لیگی لیڈر اور زعماء اس بات کی تردید کرتے رہے اور بانگِ دہل یہ اعلان کرتے رہے کہ ''ہم مسلمان اقلیت نہیں' ایک قوم ہیں۔'' جہاں تک بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کا تعلق ہے' آپ ہمیشہ یہی اعلان فرماتے رہے ہیں کہ ہم مسلمان ایک قوم ہیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور بتاریخ 22 مارچ 1940ء کو آپ نے اپنے بے عدیل' مثالی اور تاریخی خطبۂ صدارت میں بانگِ دہل اور ڈنکے کی چوٹ اعلان فرمایا:

''یہ ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترکہ قوم کی سلک میں منسلک ہو سکیں گے۔ ایک ''ہندی قوم'' کا تصور حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا ہے اور آپ کے بہت سے مصائب کی جڑ ہے۔ اگر ہم بروقت اپنے تصورات پر نظرِ ثانی نہ کر سکے تو یہ ہند کو تباہی سے ہمکنار کر دے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ''دو مختلف'' مذہبی فلسفوں' معاشرتی رسم و رواج اور ادب سے تعلق ہے۔ نہ وہ آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں' نہ اکٹھے بیٹھ کر

کھاتے پیتے ہیں۔ دراصل وہ ''دومختلف تہذیبوں'' سے متعلق ہیں جن کی اساس متصادم خیالات اور تصورات پر استوار ہے۔ یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے دو مختلف مآخذوں سے وجدان حاصل کرتے ہیں۔ ان کی رزم مختلف ہے، ہیرو مختلف اور الگ ہیں اور داستانیں جدا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی کامرانیاں اور ناکامیاں ایک دوسرے سے منطبق ہو جاتی ہیں۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست کے ''جوئے'' میں جوت دینے کا جن میں سے ایک عددی لحاظ سے ''اقلیت'' اور دوسری ''اکثریت''، ہو نتیجہ بڑھتی بے اطمینانی ہوگا اور آخر کار وہ تانا بانا ''تباہ'' ہو جائے گا جو اس طرح کی ریاست کے لیے بنایا جائے گا۔

معروف انداز کے مطابق مسلمان ''اقلیت'' نہیں ہیں......قوم کی کسی بھی تعریف کے مطابق مسلمان ایک قوم ہیں۔

ان کے اپنے وطن ہونے چاہئیں، اپنے علاقے اور اپنی ریاست۔ ہم آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عوام بھرپور روحانی، ثقافتی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی میں ترقی کریں......اپنے ''آئیڈیل'' کے مطابق اور اپنے عوام کی سوچ کے مطابق'' زندگی بسر کریں۔

1935ء کے انڈیا ایکٹ کے مطابق جو انتخابات ہوئے، ان میں کانگرس نے فتح حاصل کی اور چھ سات صوبوں میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنی وزارتیں قائم کیں۔ اس کامیابی نے ہندو لیڈروں اور ہندو قوم کا دماغ خراب کر دیا اور اُنہوں نے بزعمِ خویش یہ فیصلہ کر لیا کہ اب پورے ہند میں ''کانگرس راج'' اور ''ہندو راج'' قائم ہو گیا ہے۔ کانگرس اور ہندوؤں نے اس دوڈھائی سالہ اقتدار کے دوران مسلم ہند پر جو مظالم

ڈھائے اور ظلم اور زیادتیاں روا رکھیں، بابائے قوم کی اس عرصے کے دوران کی گئی تقاریر، خطبات اور بیانات اس ظلم و تشدد کی منہ بولتی تصویر ہیں اور ''پیر پُور رپورٹ'' اور ''شریف رپورٹ'' ان مظالم کا زندۂ جاوید ثبوت ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''قائداعظمؒ اور اقلیتیں'' وقت اور حالات کی ضرورت اور تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے تحریر کی گئی ہے اور ہماری حتمی رائے ہے کہ ایسی کتاب کی موجودہ حالات کی روشنی میں اشد ضرورت تھی۔ یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ ہمارے دو محسنوں اور کرم فرماؤں یعنی آبروئے صحافت اور قافلۂ نظریۂ پاکستان کے سالار مکرم اور محترم جناب مجید نظامی صاحب جو نظریۂ پاکستان فاؤنڈیشن کے سربراہ ہیں اور پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد صاحب جو فاؤنڈیشن کے روحِ رواں ہونے کے ساتھ ساتھ سیکرٹری کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہیں، ان دونوں کی خواہش اور ارشاد کی تعمیل ہے۔

ہم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اپنے محترم قارئین کی خواہشات پر پورا اترے اور جس مقصدِ وحید کے پیشِ نظر اسے ترتیب دیا ہے، وہ پورا ہو۔ اس کے باوجود ہم اپنے کرم فرماؤں اور قارئینِ کرام کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ وہ ہمیں اپنی گراں قدر آراء اور صائب مشوروں سے نوازیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد حنیف شاہد

یکم جون 2007ء

باب اوّل:

عہدِ رسالت مآب ﷺ: میثاقِ مدینہ اور اقلیتوں کے حقوق

فتح مکہ کے سوا سال بعد ذوالحجہ 9 ہجری میں حج کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کی طرف سے مِنٰی میں اعلان کیا گیا تھا کہ غیر مسلم قبائل کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ نئے انتظامات کرلیں اور یہ کہ آئندہ سے بیت اللہ شریف صرف اہلِ اسلام کے لیے مختص ہوگا' غیر مسلم اس کے حج کے لیے نہ آئیں۔ یہ اعلان سیاسی اور دینی اہمیت رکھتا تھا لیکن اس سے قطعاً کوئی دشواری پیش نہ آئی کیونکہ رفتہ رفتہ جملہ اہلِ عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے...... 10 ہجری میں جب حضور اکرم ﷺ حُجتہ الوداع کے لیے تشریف لائے تو ایک لاکھ چالیس ہزار کا غیر معمولی اور عظیم الشان اجتماع تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا ہجرت کے بعد پہلا اور آخری حج تھا۔ آپؐ نے خطاب میں فرمایا:-

''تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں...... میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کی گردنیں ہرگز نہ کاٹنا۔ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم ان کو تھامے رہو گے تو کبھی بھٹکنے نہ پاؤ گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سُنت ...... تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو اور کسی عربی کو کسی عجمی پر' کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں...... حاضر شخص یہ باتیں غیر حاضر تک پہنچادے''۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ نبی تھے لیکن نبی کا اسلامی تصور یہ نہیں ہے کہ وہ عقائد' عبادات اور احسان کی تعمیل تک خود کو محدود رکھے بلکہ اسلامی تصور میں نبی کے لیے یہ بھی

ضروری ہے کہ وہ دین اور دُنیا دونوں کے حسنات کا عملی راستہ بتائے۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے دین بھی سکھایا اور ایک مملکت بھی چلا کر دکھائی۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف علاقوں اور خطوں میں جو انبیائے کرامؑ بھی مبعوث ہوئے، وہ سب کے سب حسنِ اخلاق اور اعلیٰ کردار کا جامع نمونہ تھے جن سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو ہمیشہ کے لیے اخلاق اور اعلیٰ کردار کی رہنمائی حاصل ہوتی رہی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے کردار کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہے، وہ سب آپ کے حسنِ کردار کے مدّاح ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپؐ کے ساتھ پچیس سال بسر کیے، وہ آپ کے حسنِ کردار کے لیے رطب اللّسان ہیں۔ حضرت عائشہؓ کو دس سال آپ کی رفاقت وقربت میسر آئی۔ آپ سے کسی نے آپؐ کے اخلاق کی بابت پوچھا تو اُنہوں نے جواباً فرمایا: ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا''۔

عدل وانصاف میں آپؐ کے نزدیک مسلم اور غیر مسلم، اپنے اور بیگانے میں کوئی فرق نہ تھا۔ متعدد مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے حق میں فیصلہ دیا۔ حضور اکرم ﷺ کا طرزِ عمل ہمیشہ عفوو بردباری کا رہا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''آپؐ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتیوں کا بدلہ نہیں لیا سوائے اس کے کہ خدائی حرمت کو پامال نہ کیا گیا ہو۔ اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مؤاخذہ فرماتے تھے''۔

اہلِ مکہ حضور اکرم ﷺ کی صداقت وامانت پر اس درجہ یقین رکھتے تھے کہ اُنہوں نے نہ صرف آپؐ کو ''صادق'' اور ''امین'' کے القابات دے رکھے تھے بلکہ دشمنی کے سخت ترین ایام میں بھی وہ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھ جاتے تھے چنانچہ جب آپ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی، اس وقت مکہ کے بہت سے گھرانوں کی امانتیں آپ کے گھر میں رکھی ہوئی تھیں جن کا لحاظ کر کے آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑا

جنھوں نے تین دن رہ کر یہ امانتیں لوگوں کو واپس کیں۔

حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں بعض غیر مسلم مہمان آدابِ مجلس ملحوظ نہ رکھتے مگر آپ ﷺ انہیں معاف فرما دیتے۔ بعض یہودی مجلس میں آکر ''السلام علیکم'' کے بجائے ''السام علیکم'' (معاذ اللہ) کی بددعا دیتے مگر آپ درگذر فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے جواب میں ''وعلیکم السام'' کے الفاظ کہے' آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔

آپ ﷺ کے دولت کدے پر اگر کوئی غیر مسلم مہمان آتا تو آپ ﷺ اس کی خاطر مدارات میں کمی نہ فرماتے۔ آپ ﷺ خود بنفسِ نفیس اس کی خدمت فرماتے۔ نجران کے نصاریٰ کو آپ ﷺ نے نہ صرف مسجد میں ٹھہرایا بلکہ ان کو ان کے اپنے طریقے پر مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سرورِ کائنات ﷺ کی ایک اور تبلیغی خصوصیت تالیفِ قلب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا وہ حسنِ سلوک جو غیر مسلموں اور بعض نو مسلموں کے ساتھ اس غرض سے آپ ﷺ نے کیا کہ وہ اسلام کو شفقت اور حسنِ سلوک کا نمونہ خیال کریں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنے قدیمی دشمنوں کی ''عام معافی کا اعلان'' فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ نے نہ صرف ایک نئی برادری (Brotherhood) کی تشکیل کی جس کی بنیاد ''توحید'' پر استوار کی بلکہ ایک نئی اسلامی ریاست قائم کر کے قرشی' غیر قرشی' عربی اور عجمی' گورے اور کالے کے تمام امتیازات مٹا دیے۔ آپ ﷺ نے اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے رشتے میں پرونے کے لیے تمام مسلمانوں کے لیے دو مرتبہ عملی اقدام اٹھائے۔ ایک بار ہجرت سے پہلے اور دوسری مرتبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں جب آپؐ نے ''مؤاخات'' کا عملی مظاہرہ فرمایا۔

''میثاقِ مدینہ'' آقائے دو جہان سرکارِ مدینہ حضورِ اکرم ﷺ کی بصیرتِ الہامی کا شاہکار ہے۔ ایک عظیم الشان ریاست کی تاسیس اور تدبر و تنظیم آپ ﷺ کا وہ زندۂ جاوید کارنامہ

ہے جس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے قبائلی عصبیّت اور قومیّت کے بُت پاش پاش کرکے ایک عالمگیر برادری (Universal Brotherhood) قائم کی۔ رنگ، نسل، خاندان، زبان اور وطن سے بالاتر ایک اُمت اور ''ملت'' کا قیام عمل پذیر ہوا۔

نامور مستشرق باسورتھ سمتھ (Bosworth Smith) نے اپنی تصنیف "Mohammad and Mohammadanism" میں بالکل حقیقت بیانی کی ہے جب وہ یہ لکھتا ہے:-

"By a fortune absolutely unique in history, Mohammad(PBUH) is a THREE-FOLD FOUNDER" of a "STATE", of a "RELIGION", and of a "NATION".

اور ڈاکٹر جان ڈریپر (Dr. John Draper) حضور سرورِ کائنات ﷺ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے:-

"Of all men, Mohammad has the greatest influence upon the human race"[1]

اور جہاں تک مائکل ایچ ہارٹ (Michael H. Hart) کا تعلق ہے، اس نے دنیا کی سو عظیم شخصیات کا انتخاب کیا اور The Hundred; 100 A Ranking of the Most Influential Persons in History". تحریر کی۔ اس کتاب میں اس نے آقائے دو جہاں، سرورِ کائنات حضورِ اکرم ﷺ کا نامِ نامی سرِ فہرست رکھا اور اس کی وجہ یوں بیان کی:

"My choice of Muhammad to lead the list of the World's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was

supremely successful on both the religious and secular levels.

Of humble origins, Muhammad founded and promulgated one of the world's greatest religion, and became an immensely effective political leader. Today, thirteen centuries after his death, his influence is still powerful and pervasive."[2]

میثاقِ مدینہ سے عرب کے جاہل معاشرہ پر کس قدر فکر انگیز' دور رَس اور تاریخ ساز اثرات مرتب ہوئے' اس کا ذکر کرتے ہوئے ہٹل (HELL) اسے ''سیاستِ نبوی ﷺ کا اعزاز'' قرار دیتا ہے: وہ لکھتا ہے:-

"Hither to the individual Arab had no other protection than that of his family or that of his patron. Muhammad rid himself, at one stroke, of the old Arab conception which had kept the Mekkans themselves back from adopting a drastic policy of suppression and repression against him. And with it he dissolved the old ties, broke down old barriers; and placed every Muslim under the protection of the entire community of the faithful."[3]

''میثاقِ مدینہ'' کے خوشگوار اثرات کا نتیجہ یہ نکلا کہ طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو گیا اور نسلی اور مذہبی لحاظ سے منتشر اور پراگندہ افراد ایک ہی لڑی میں پرو دیئے گئے۔ تمام قوتیں ایک مرکز پر یکجا اور متحد ہو گئیں اور سب باشندوں اور باسیوں کو مساوی اور یکساں حقوق مل گئے۔ ممتاز اور سر برآوردہ محقق، عالم اور تاریخ نویس پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

''ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی' شہری مملکت کی صورت میں

منظّم کیا گیا اور اس کی قلیل لیکن بوقلمون اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچک دار اور قابلِ عمل دستور کے ماتحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک ایسا ''سیاسی نظام'' قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیا' یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی دِقّت کے صدر مقام بھی بن گیا''[4]۔

ویل ہاؤزن (Well-Hausen) ایک نامور مستشرق گزرا ہے۔ ''میثاقِ مدینہ'' کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:-

''مکمل حاکمانہ اختیارات کے ساتھ پہلا عربی معاشرہ حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں شہر مدینہ میں قائم ہوا لیکن خون کی بنیاد پر نہیں جو لامحالہ اختلافات کو جنم دیتا ہے بلکہ دین کی بنیاد پر جس کا اطلاق ہر فرد پر یکساں طور پر ہوتا ہے''[5]۔

اسی طرح مشہور و معروف مستشرق پروفیسر نکلسن ''منشورِ مدینہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے:-

''میثہ طور پر ایک محتاط اور ماہرانہ اصلاح بلکہ درحقیقت ایک ''انقلاب'' تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے قبائل کی خود مختاری پر نہ صرف یہ کہ کھلم کھلا ضرب لگائی بلکہ اسے ختم کر دیا اور انجامِ کار مرکزِ قوت قبیلہ سے معاشرہ کو منتقل کر دیا۔ معاشرہ میں اگرچہ مسلمان' یہود اور مشرک سبھی شامل تھے اور وہ اسے اچھی طرح جانتے تھے اور جسے ان کے دشمن نہ دیکھ سکے مگر ان کی نگاہِ دُور رس نے دیکھ لیا تھا کہ نئی بننے والی ریاست میں مسلمان ہی نہ صرف فعال بلکہ اس کا غالب حصہ ہوں گے''[6]۔

مسلمان سکالرز اور مستشرقین کے ''میثاقِ مدینہ'' کے ضمن میں تاثرات و خیالات اور سرورِ کائنات' سرکارِ مدینہ' رحمت للعالمین' خاتم النبیّین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور خراجِ عقیدت آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''منشورِ مدینہ'' کے چند بنیادی نکات اور شقیں پیش کی جائیں جو حسبِ ذیل ہیں:-

1- یہ تحریری دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد ﷺ کی قریش، یثرب کے اہلِ ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔ ایک دوسری جگہ یہ شق اس طرح مرقوم ہے۔

یہ محمد نبیؐ اور رسول اللہ ﷺ کا عہد نامہ ہے جو قریشی اور مدنی مسلمانوں کے درمیان نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کی پیروی کر کے ان میں اس طرح آ ملیں اور ان کے ساتھ رہیں کہ ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں، کے درمیان طے پایا۔

2- یہ سب لوگ مل کر دوسرے لوگوں سے الگ ہو کر ایک ''امّت'' قرار پائیں گے۔

16- یہودیوں میں سے جو بھی ہمارا تابع ہو جائے گا، اس کے ساتھ دستور کے مطابق معاملہ وانصاف اور مساوات کا سلوک روا رکھا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔ کوئی مسلمان قتال فی سبیل اللہ میں دوسرے مسلمان سے الگ ہو کر صلح نہیں کرے گا۔ اسے مسلمانوں کے درمیان مساوات وعدل ملحوظ رکھنا ہوگا۔

22- کسی مومن کے لیے جو اس معاہدے کی پابندی کا اقرار کر چکا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لا چکا ہے، یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی قانون شکن کی مدد کرے یا اسے پناہ دے؛ جو ایسے مجرم کی مدد کرے گا یا پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن تک اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہو؛ اس سے نہ بدلا قبول کیا جائے گا اور نہ فدیہ۔

25- بنُو عوف کے یہود بذاتِ خود اور اپنے حلیفوں اور موالی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق اور جماعت ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر کاربند ہوں گے اور مسلمان اپنے دین پر البتہ جس نے ظلم و گناہ کیا، وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

26، 27، 28، 29، 30 اور 31: بنی نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو اوس اور بنو ثعلبہ کے یہود کے لیے بھی وہی کچھ مراعات اور فرائض ہیں جو یہود بنی عوف کے لیے۔

''میثاقِ مدینہ'' کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اس معاہدے کی اہمیت و

افادیت کے بارے میں جو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:-

(1) اس معاہدے کی بدولت مدینے کی شہری ''ریاست'' کا آغاز ہوا اور آنحضرت ﷺ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی طرف سے اس ''ریاست کے سربراہ'' تسلیم کر لیے گئے اور اس طرح ایک بین الاقوامی معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف ہو گئے۔

(2) اس معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور آپ نے ایک عظیم مدبر اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ آپس میں منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے سرانجام دیا۔ آپؐ ایک ایسی ''ریاست'' اور ایک ایسا ''معاشرہ'' قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بین الاقوامی اصول پر مبنی تھا۔

آنحضرت ﷺ نے سیاست میں اخلاقی عناصر کو داخل کیا۔ اصل سرچشمۂ اقتدار اللہ تعالیٰ کو قرار دیا اور خود اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت اختیار کی۔ اسی معاہدے کی بدولت مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد و تعاون ہو سکتا تھا، ان کی نشان دہی ہوئی۔ اسی معاہدے نے اہلِ اسلام کے باہمی حقوق و فرائض اور جملہ شہریوں کے آپس میں تعلقات، فرائض اور حقوق کا تعین کیا۔ اسی معاہدے نے ظلم، نا انصافی، عدم مساوات اور ایسی ہی دیگر خرابیوں کا سدِّ باب کیا۔ اسی معاہدے نے شہریوں کے اندر قانون، اخلاق، مذہب اور انسانی قدروں کے احترام کا بھرپور جذبہ پیدا کیا۔[7]

مدینہ منورہ میں ریاست کا قیام باقاعدہ آئین کے ذریعے کیا گیا تھا جو ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے معروف ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک ''آئینی حکم (Constitutional Charter) کی سی ہے مگر چونکہ آئین ایک طرح کا ''عہد نامہ'' ہوتا ہے جو ایک طرف حکومت اور دوسری جانب افراد کے حقوق و فرائض کی حدود متعین کرتا ہے، اسی بنا پر اس کو ''معاہدات'' میں شمار کیا جاتا ہے چنانچہ عہدِ نبویؐ کے عہد ناموں میں اولیت اسی دستاویز کو دی جاتی ہے۔

دوسرا اہم نکتہ جو قابلِ توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دستاویز صرف مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات ہی کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ اس کی مخاطب پوری مدنی آبادی مسلم، مشرک اور یہودی تھی۔ اس کا عنوان تھا: ''یہ دستاویز محمد رسول ﷺ کی جانب سے ہے۔'' اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ دستاویز رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی۔ اس کے اندر جو فرائض اور حقوق درج تھے، آنحضرت ﷺ کی طرف سے آئین کی صورت میں عطا کیے گئے تھے۔[8]

Commenting on the "Treaty of Medina," Professor Majid Khadduri, writes:

"It appears as a tripartite agreement between the Muhajirun or émigrés of Mecca, the Ansar or adherents of Medina, and the Jews. A careful examination of the text shows, however, that it was more than a treaty of alliance. The first part indeed reflects to us more than an attempt at reconciliation between the tribes; it is in fact a convention for fusing all the rival attempts of the Arab tribes in Medina to constitute one nation in distinction from the rest of the people. It is, in other words, a constitution for the Islamic State in its embryonic stage rather than a loose alliance of tribes. In this Prophet Muhammad (peace be upon him) had attempted to dissolve the narrow tribal loyalties within a new superstructure, by shifting their focus of attention to new Religion and[9] State."

A well known Orientalist W. Montgomery Watt while paying tributes to the Holy Prophet Muhammad (P.B.U.H) says:

"This Treaty sheds a good deal of light on the

position of the prophet as the controller of the affairs in Medina. The constitution states that wherever there is any dipute, it is to be referred to God and to Prophet Muhammad (peace be upon him). It seems likely that it was contemplated in the original agreement between Prophet Muhammad (Peace be upon him) and the Medinites that he would be able to act as an arbitrator between rival factions and thus help to maintain peace in the oasis.[10]

A prominent Muslim Historian of Egypt. Prof. Muhammad Husayn Haykal, while considering the "Treaty of Medina a "Landmark in Human History" sheds light is the following words:

"The latter part of the Treaty, which refers to an alliance between the Arabian tribes constituting one party and the Jews as the other, clearly lays down the broad principle on which cordial relations could be established between Muslims and non-Muslims. This Treaty, which owed itself to the efforts of the Holy Prophet (peace be upon him) for establishing peace, is a Landmark in Human History".

"It guaranteed mankind thirteen hundred and fifty years ago, freedom of thought and freedom of worship. Protection of life and that of the property was recognized and the crime in all its forms was legally banned. These are in fact fresh laurels which Prophet Muhammad (peace be upon him) eminently

won in the realm of civics and politics of that time, for it guaranteed peace and freedom to the people who had been woefully groaning under the heel of tyranny and oppression let loose by despotism and autocracy and anarchy of that age."[11]

اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں:-

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے دو پہلو ہیں جو درحقیقت ایک ہی پہلو کے دو جزو ہیں یعنی اسلام کی تبلیغ اور اس تبلیغ کو قبول نہ کرنے والوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ۔

بات یہ ہے کہ شہر مدینہ میں بہت سے یہودی بستے تھے اور ہمارے مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی عربوں اور یہودیوں کا مدینے میں جھگڑا ہوتا تھا تو یہودی ان سے کہتے تھے ذرا ٹھہر جاؤ' آج تو تم ہمیں مار رہے ہو لیکن جلد ہی آخری نبی آنے والا ہے، جب وہ آئے گا تو ہم اس کی اتباع کر کے تم کو دنیا سے نیست و نابود کر دیں گے۔ تمہارے بچے، بوڑھے، عورتیں، مرد، سب کو قتل کر دیں گے۔ ان مدینے والوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعی آخری نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کیوں نہ یہودیوں سے بھی پہلے اسلام قبول کر لیں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر آنکھوں کے اشارے سے گفتگو کرتے ہیں۔ پھر سب اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا اسلام مخلصانہ تھا۔ چنانچہ مدینے پہنچ کر وہ سب لوگ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہوتی ہے۔ ایک سال بعد امن کے زمانے میں، یعنی حج کے مہینے میں، مدینہ سے بارہ نئے آدمی مکہ آتے ہیں اور بمقام عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ غیر مسلموں کے متعلق اسلام کا برتاؤ کیا ہے؟ مختصراً بیان کرتا ہوں۔ اس آیت سے آپ میں سے ہر شخص واقف ہوگا(**لا اِکراہ فی الدین**)(2:256)(**ان علیك الا البلاغ**)(42:47)یعنی اسلام قبول کرنے کے لیے

جبر کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔ پیغمبر ﷺ کا فریضہ صرف ابلاغ وتبلیغ ہے، اس کے بعد نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کو جبر کے ساتھ کبھی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ غیر مسلموں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ قرآن کریم میں یہ عجیب وغریب اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے حتیٰ کہ نہ صرف عقائد کی آزادی ہو اور اپنی عبادات وہ اپنی طرز پر کرسکیں بلکہ اپنے ہی قانون، اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کرائیں۔ کامل داخلی خود مختاری کا قرآنِ مجید کی کئی آیتوں میں ذکر ہے۔ جن میں سے ایک آیت بہت ہی واضح ہے۔ **(وليحكم اهل الانجيل بما انزل الله فيه)** (5: 47) یعنی انجیل والوں کو چاہیئے کہ اس چیز کے مطابق احکام دیا کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے۔ ان احکام کے تحت عہدِ نبوی ﷺ میں ہی قومی خود مختاری ساری آبادی کے ہر ہر گروہ کو مل گئی تھی۔ جس طرح مسلمان اپنے دین، عبادات، قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے، اسی طرح دوسری ملت کے لوگوں کو بھی کامل آزادی تھی۔

اس کے کچھ عرصے بعد ایک نیا واقعہ پیش آتا ہے۔ مسلمانوں پر جنگ فرض کی جاتی ہے اور غیر مسلم رعایا کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے کیونکہ اگر مسلمان دین کی خاطر جنگ کریں تو غیر مسلموں کو اسلام کی خاطر جنگ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ مسلمان جنگ کرکے اسلامی مملکت، ریاست اور اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے جس کے باعث وہاں رہنے والی غیر مسلم رعایا امن وامان سے متمتع ہوتی ہے جب کہ مسلمان اپنے ملک کی حفاظت کے لیے سر کٹاتے ہیں۔ لہٰذا فوجی ضروریات کے تحت غیر مسلم رعایا پر ایک ٹیکس عاید کیا جاتا ہے جو جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ جزیہ اسلام کی ایجاد نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے ایران وغیرہ میں بھی جو لوگ فوجی خدمت انجام نہیں دیتے تھے، ان کو ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ یہ چیز اسلام میں بھی آئی۔ غیر مسلم رعایا بہت ہی خفیف ٹیکس دے کر، جو سال میں دس دن کی غذا کے مترادف

تھا، اسلامی سلطنت کی پوری حفاظتی قوتوں اور پولیس وغیرہ کی خدمات سے مستفید ہوتے رہتے اور جس وقت مسلمان اپنا سر کٹاتے' یہ اپنی تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے دولت کماتے۔اس کے علاوہ ایک اور چیز غیر مسلموں کے متعلق ہمیں نظر آتی ہے کہ محض دین کی بناء پر ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ 2 ہجری میں جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو مکے والوں نے ایک وفد دوبارہ حبشہ بھیجا اور چاہا کہ وہاں جو مسلمان مہاجرین مقیم ہیں' ان کو نئے نجاشی سے کسی طرح واپس حاصل کرلیں اور ان کو تکالیف دیں۔ جب اس کی اطلاع رسولِ اکرم ﷺ کو ہوئی تو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان کی حفاظت کے لیے حکمران کو آمادہ کرے۔ حالانکہ عمرو بن اُمیہ الضمری اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح ہمیں اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہمسائے میں یہودی رہتے تھے، اگر ان کے یہاں کوئی بچہ بھی بیمار ہوتا تو رسولِ اکرم ﷺ اس بچے کی عیادت کے لیے اس کے گھر جایا کرتے۔ بنی عریض نامی ایک یہودی قبیلہ میں رہتا تھا۔ اس کی کسی بات سے خوش ہوکر رسولِ اکرم ﷺ نے اس کے لیے کچھ سالانہ معاش مقرر فرمائی۔ یہ مختلف چیزیں ہیں جو غیر مسلموں سے برتاؤ کے سلسلے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ ایک اور چیز کہ مسلمان کا ہی نہیں' یہودیوں کا جنازہ بھی شہر کی گلیوں سے گزرتا اور اتفاق سے رسولِ اکرم ﷺ وہاں کسی جگہ بیٹھے ہوتے تو جنازے کو دیکھ کر آپ کھڑے ہوجاتے تاکہ ان کے ساتھ ایک طرح سے اپنی ہمدردی کا مظاہرہ کریں۔ غرض مسلمانوں کا طرزِ عمل غیر مسلم رعایا کے ساتھ اس قدر رواداری کا تھا کہ اس کی نظیر ہمیں تاریخِ عالم میں کم ملتی ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلا، اس کی طرف اشارہ کرکے میں اسے ختم کرتا ہوں: رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں خانہ جنگی ہوئی۔ پھر اس کے بعد بارہا خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ کسی بھی مسلمانوں کی باہمی خانہ

جنگی کے زمانے میں غیر مسلم رعایا نے کبھی بغاوت نہیں کی۔ وہ نہ اس فریق کا ساتھ دیتے، نہ اس فریق کا ساتھ دیتے، موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمان حکومت سے غداری یا بغاوت کا خیال انہیں کبھی پیدا نہیں ہوا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب قیصرِ روم نے پیام بھیجے اور اسلامی ممالک کی عیسائی رعایا سے کہا کہ موقع ہے کہ تم بغاوت کرو۔ میں بھی اس وقت مسلمانوں پر حملہ کروں گا اور ان مشترکہ دشمنوں سے ہم نجات پائیں گے، اس ابتدائی زمانے سے لے کر کروسیڈز (صلیبی جنگوں) تک جب کبھی ایسے مطالبے کسی پوپ نے یا کسی عیسائی حکمران نے کیے، تو مسلمانوں کی عیسائی رعایا کا جواب یہ ہوتا تھا کہ ہم ان کافر حکمرانوں (مسلمانوں) کو تم جیسے ہم مذہب حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان کبھی غیر مسلموں پر اسلام لانے کے لیے جبر نہیں کرتے تھے اور ان کو مذہبی وقومی معاملات میں پوری آزادی وخودمختاری دیتے تھے حتیٰ کہ ان کے مذہبی اداروں کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی ایک معتبر شہادت موجود ہے جس کی اصل دستاویز بھی آج تک محفوظ ہیں۔ ایک عیسائی اپنے بعض ہم مذہبوں کو جو دوسرے شہر کے تھے، یہ خوش خبری پہنچاتا ہے کہ آج کل ایک نئی قوم ہماری حاکم بن گئی ہے لیکن وہ ہم پر ظلم نہیں کرتی، اس کے برخلاف وہ ہمارے گرجاؤں اور ہمارے راہب خانوں (Convents) کی مالی مدد کرتی ہے۔

مندرجہ بالا صورت حالات کے پیش نظر کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے چنانچہ ہم چند ضروری سوالات جو اٹھائے گئے، ان کے جوابات پیش کرتے ہیں:

سوال: غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ روایت میں آیا ہے کہ نجاشی کی وفات کے وقت تمام پردے ہٹا دیے گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ذرا وضاحت فرمائیں؟

جواب: جہاں تک بخاری کی روایت کا تعلق ہے جو حدیث کی مستند کتاب ہے، اس میں

اس جزو کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ ''تمام پردے ہٹا دیے گئے''۔ اگر کسی روایت میں ہو تو میں نے کبھی نہیں پڑھی۔ بہر حال ایک واقعہ بہ صراحت ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس شخص کی وفات کے بعد جو کسی اور ملک میں ہوئی تھی' مدینہ منورہ میں نمازِ جنازہ پڑھائی اور اب چودہ سو سال سے مسلمان ایسا ہی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ ہم اپنے کسی مسلمان بھائی یا بہن کی مغفرت کے لیے ایک سے زیادہ وقت میں یا ایک سے زیادہ مقام پر نمازِ جنازہ ادا کریں۔

سوال: حضورِ اکرم ﷺ کسی غیر مسلم کو مسلمان کرتے وقت کیا پڑھاتے تھے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ ایک ہی کلمہ ہوتا تھا **''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''**۔ ممکن ہے کچھ تفصیلات ہوتی ہوں مثلاً اس سے پوچھا جاتا ہو کہ تم نماز پڑھو گے؟ کیا تم روزہ رکھو گے؟ کیا تم اسلام کے احکام پر عمل کرو گے؟ تاکہ آدمی سوچ سمجھ کر اسلام لائے، یہ نہیں کہ بعد میں واقفیت پر رائے بدل دے۔ اس طرح کی جو چیزیں ہو سکتی ہیں' وہ مختلف افراد کے لحاظ سے مختلف بھی ہو سکتی ہیں لیکن کئی بار اس کا ذکر آیا ہے کہ صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا گیا اور قصہ ختم ہو گیا۔

سوال: آج کل کے حالات میں تبلیغ کی ضرورت غیر مسلموں سے زیادہ مسلمانوں میں کرنے کی ہے۔ اپنے تجربات کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: مجھے اس سے اتفاق ہے بھی اور نہیں بھی۔ اتفاق اس معنی میں ہے کہ اگر مسلمانوں کا کردار اچھا ہو تو اس کردار کا اثر دیکھنے والے غیر مسلموں پر پڑتا ہے لیکن اختلاف بھی ہے اور وہ اس معنی میں کہ اگر ہم انتظار کریں کہ سارے مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہو جائیں، اس کے بعد ہم تبلیغ کریں تو یہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے کہ دونوں کام بیک وقت جاری رہیں۔ ہم مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیے بھی کام کریں اور غیر مسلموں تک اسلام پہنچانے کی بھی کوشش کریں۔

سوال: غیر مسلموں کے ساتھ مثالی رواداری کے باوجود مرتد کو واجب القتل کیوں قرار دیا گیا ہے۔؟(**لا اکراہ فی الدین**)(2:256) کے باوجود ایسا حکم دینے کا کیا جواز ہے؟

جواب: اس بارے میں میرا شخصی ردعمل یہ ہے کہ مرتد کو سزائے موت دین کے سلسلے میں نہیں دی جاتی بلکہ اسے ایک سیاسی غداری کی سزا دی جاتی ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت غداری کرنے والے کو معاف نہیں کرتی۔ اسلام میں چونکہ سیاست اور دین میں کوئی دوئی نہیں' اس لیے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ محض دین سے انحراف کی سزا ہے۔ ہم کسی کو اسلام میں داخل ہونے اور اسلامی امت کا رکن بننے کے لیے جبر نہیں کرتے لیکن جب وہ مسلمان ہونے کے بعد اس اجتماعی نظام سے بغاوت کرتا ہے تو اس کو دنیا کے عام سیاسی قواعد اور سیاسی ضرورتوں کے تحت غداری کی سزا بھی دی جائے گی۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ خانہ نے شعب ابی طالب میں پناہ لی۔ کیا شعب ابی طالب میں پناہ لینے والے سارے مسلمان تھے یا ان میں غیر مسلم بھی شامل تھے؟ اگر ابو طالبؓ نے کچھ عرصہ شعب میں پناہ لیے رکھی' بھوک وغیرہ برداشت کی تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تفصیلات آپ کو آسانی کے ساتھ سیرت کی ہر کتاب میں مل سکتی ہے۔ مکہ والوں نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ خاندان بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا جائے لہٰذا مسلم وغیر مسلم جتنے افراد تھے' سب پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ ہماری کتابوں میں مثلاً بلاذریؒ کی کتاب میں صراحت ہے کہ دیگر غیر مسلموں نے خاندان کے ساتھ Solidarity کی خاطر ساتھ دیا لیکن ابولہبؔ نے خاندان کو اور شعب ابی طالب کو چھوڑ کر شہر میں آ کر مشرکوں سے کہا کہ میں خود کو مستثنیٰ کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ رہتا ہوں۔ میں بتوں کی حمایت کروں گا۔ ان حالات میں دونوں مسلم اور غیر مسلم وہاں تھے۔ غیر مسلموں نے خاندانی حمیت کی خاطر ساتھ دیا اور مسلمانوں نے مجبوری کے تحت ایسا کیا تھا۔ رہا بھوک پیاس کا برداشت کرنا، اگر ہم قبول کرتے ہیں کہ خاندان کے ساتھ ہم اپنا تعلق برقرار رکھیں گے تو اس کے

نتائج کو برداشت کرنا ہوگا چنانچہ انہوں نے برداشت کیا۔ کچھ لوگ اس بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھا کر بیمار بھی ہوتے رہے۔ کچھ لوگ جاں بحق بھی ہوئے لیکن بہرحال اُنہوں نے رسول اکرم ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

سوال: مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ رسول اکرم ﷺ مکہ میں تو پیغمبر تھے اور مدینے میں بادشاہ بن گئے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب: میری اس بارے میں رائے یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ مکے میں نبی تھے' اس سے دشمن کو بھی انکار نہیں۔ یہ کہنا کہ مدینے میں صرف بادشاہ تھے' اس سے مجھے اتفاق نہیں۔ مدینے میں آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ یعنی آپ ﷺ کے ابتدائی پرانے فرائض میں اب اضافہ ہوگیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اگر نبی کے فرائض یہ ہیں کہ دین کی تبلیغ کرے' عبادات کے طریقے بتائے' عقائد کی اصلاح کرے تو رسولِ اکرم ﷺ بعثت سے لے کر وفات تک مکے اور مدینے دونوں جگہ یہی فرائض انجام دیتے رہے۔[12]

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبۂ حجۃ الوداع اور اس کی تاریخی اہمیت

یورپ کے ایک مشہور مؤرخ لارڈ ایکٹن نے فرانس کے ''منشور حقوق انسانی'' (Declaration of the Rights of Man) کے متعلق کہا تھا کہ کاغذ کا یہ ایک پرزہ دنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی فتوحات سے زیادہ پر شکوہ ہے۔ ایکٹن کی یہ رائے مبالغہ سے خالی نہیں لیکن اگر حضور سرورِ کائنات ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع کے متعلق یہ کہا جائے کہ آسمان نے روز و شب کی ہزاروں کروٹیں بدلی ہیں لیکن احترامِ انسانیت کے لئے اس سے زیادہ پُر دَرد اور پُرخلوص آواز نہیں سنی تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

آج دنیا میں ہر طرف انسانی حقوق کے تحفظ کا چرچا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں نقاب کی مانند ہیں جن کے نیچے دنیا کے گوشے گوشے میں قدرِ حُرّیت اور شرفِ انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ تہذیبِ حاضر نے انسانیت پر ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں اور یہ طریقے ایسے ہولناک ہیں جن کی مثال تاریخِ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کرسکتا۔ جو قومیں حقوقِ انسانی کی پاسبانی کے سب سے زیادہ بلند بانگ دعاوی کر رہی ہیں، وہی انسانیت کا خون چوسنے میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ کا یہ خطبہ نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا، نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، یہ اللہ کے آخری رسول کا انسان کے نام پیغام تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں مضمر ہے۔

ذی الحجہ ۱۰ھ (مطابق فروری 632ء) کو رسولِ کریم ﷺ نے اپنی زندگی کے

آخری حج کے ادا کرنے کا ارادہ فرمایا اور تمام ازواجِ مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عرب کے گوشے گوشے سے لوگ شرفِ ہمرکابی کے لئے اُمنڈ پڑے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی' انسانوں کا ایک سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ کم و بیش ایک لاکھ مسلمان دینی جذبہ سے سرشار سرورِ کائنات حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے تھے۔

اس خطبہ کی تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی متمدن دنیا کے حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف روما' ہندوستان اور ایران کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

طبقاتی تقسیم

قرونِ وسطیٰ میں اخوت و مساوات بے معنی الفاظ تھے۔ کوئی انسانی ذہن ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقوں میں تقسیم تھا اور اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے طریقے اور قانونی سہارے وضع کر لئے گئے تھے۔

سلطنتِ روما میں سماج کی تقسیم اس طرح پر تھی کہ سب سے اُوپر آزاد شہری تھے اور سب سے نیچے غلام اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے جن کے حقوق کا تعین رنگ و نسل' مذہب اور وطن' صحت و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ جسٹی نین (Justinion) جس نے روما کے قانون کی تدوین کی تھی اور دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون کوئی تیار کر کے دکھائے' قانونی نقطۂ نگاہ سے سماج کو اس طرح تقسیم کرتا ہے۔

(i) ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(ii) اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی۔ ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

(iii) سب سے نچلا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا۔ آگ میں ڈالا جاتا تھا اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔

تقریباً اسی طرح کی طبقاتی تقسیم ایران میں تھی۔ وہاں کی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی:۔

(۱) آذرواں ۔ مذہبی طبقہ

(۲) آرتشتیاران ۔فوجی طبقہ

(۳) دبیران ۔عمال حکومت

(۴) استریوشان وہتخشان ۔یعنی عوام پیشہ ور لوگ اور کاشتکار

ایرانی سماج کی تقسیم مستقل تھی ۔کوئی شخص ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہوسکتا تھا۔ آتش پرست حکومت میں بااثر تھے۔ ان کو پیشہ ور قوموں سے بالخصوص کمہاروں وغیرہ سے خاص عداوت اور نفرت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق آگ اور پانی کو ملانے والا گناہِ عظیم کا مرتکب ہوتا تھا۔ ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے بنایا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہوسکتا تھا' نہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔

ہندوستان کی حالت ایران سے زیادہ خراب تھی۔ سماج کی سب سے اونچی منزل پر علی الترتیب مندرجہ ذیل چار ذاتوں کا شمار ہوتا تھا۔

(۱) برہمن (۲) چھتری (۳) ویش (۴) شودر

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا۔ جن کو انتیجا (Antyuja) ہاڈی (Hadi) ڈوما (Doma) چنڈالا (Chandela) بدھلتو (Badhaja) وغیرہ نام دئے گئے تھے۔ ان کو اونچی ذات کے لوگوں سے دور شہر کے باہر رہنا پڑتا تھا۔ مقدس کتابوں کا اگر ایک لفظ ان لوگوں کے کان میں اتفاقاً پڑ جاتا تو سیسہ پگھلا کر کان میں بھر دیا جاتا تھا۔ سارا ملک

چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار تھا۔ اگر ایک شودر کے گھر میں آگ لگ جاتی اور اس کے شعلے برہمن کے گھر تک پہنچ جاتے تو وہ اپنے گھر کو ناپاک سمجھ کر چھوڑ دیتا تھا۔ انسانیت کی جو بے حرمتی ہندوستان میں روا رکھی گئی تھی، اس کی مثال دُنیا کے کسی حصہ میں نہیں ملتی تھی۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ منو اور کے قانون اس عہد کی سماجی حالت کے آئینہ دار ہیں۔

بادشاہوں کی حیثیت: ایران، روما اور ہندوستان تینوں جگہ بادشاہوں کو عام انسانی سطح سے اٹھا کر خدا کے قریب پہنچا دیا گیا تھا۔ حد یہ ہے کہ کہا جاتا تھا کہ مختلف طبقوں کی پیدائش مختلف طریقوں اور مختلف مادوں سے ہوئی ہے۔ ہندوستان کے راجہ چاند اور سورج سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے۔ ایران اور روما کے شہنشاہ خالق کائنات سے اپنا سلسلۂ نسب ملاتے تھے۔ ان کے سامنے سجدے کئے جاتے تھے اور ان کو صفاتِ خداوندی کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ بغاوت گناہ تھی اور تابعداری مذہبی فریضہ۔ فرمانروائی خاص خاندانوں کا پیدائشی حق سمجھی جاتی تھی۔

عورتوں کی حالت

قرونِ وسطیٰ میں عورتوں کی سماجی حالت بے حد زبوں تھی۔ ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں۔

(۱) زنِ پاذشائی ھا۔

(۲) زن چگاری ہا۔

پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد میں سے حصہ ملتا تھا۔ زن چگاری اور ان کی اولاد جائیداد سے بالکل محروم رہتی تھی۔ قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔ بیویاں آپس میں بدلی جاسکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔

عرب میں عورتوں کو مُورث کے مَتروکہ میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ عورت کو بدترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ:-

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا

ہے اور غصے کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خوش خبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کر لے یا زمین میں دفن کر دے۔

عربوں میں ''واؤ'' (یعنی دختر کشی) کی رسم عام تھی۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں دفن کیں۔

ہندوستان میں عورت کو تمام برائیوں کا مجموعہ سمجھا جاتا تھا۔ قانون یہ تھا کہ جس عورت کے صرف لڑکیاں پیدا ہوں، اس سے ہم بستری نہ کی جائے۔ اونچی ذات کے لوگ عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ عورتیں گھر میں رکھ سکتے تھے۔

قرونِ وسطیٰ کے سیاسی اور سماجی حالات کے اس سرسری سے خاکے کو ذہن میں رکھیے اور پھر رسول مقبول ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع پر غور فرمایئے کہ آپ کس طرح اس جابرانہ نظام کے ایک ایک ستون کو گرا کر زخم خوردہ انسانیت کو ایک نئی زندگی کا پیام دیتے ہیں:-

ارشاد ہوتا ہے:-

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔'' (صحیح مسلم، ابوداؤد)

''لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد)

- اللہ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباواجداد پر فخر کو مٹا دیا۔ انسان یا خدا سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے یا اس کا نافرمان شقی۔ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔'' (ابوداؤد)
- ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

(مستدرک حاکم، طبری وابن اسحاق)

- ''تمہارے غلام' تمہارے غلام! جو خود کھاؤ' وہی اُن کو کھلاؤ' جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ''۔ (ابن سعد)
- ''جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کردیئے گئے اور سب سے پہلے (اپنے خاندان کے) ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔''
(صحیح مسلم وابوداؤد)
- ''جاہلیت کے تمام سود باطل کردیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان عباس بن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔''
(صحیح مسلم وابوداؤد)
- ''عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔'' (صحیح مسلم وابوداؤد)
- ''تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے''۔
(طبری وابنِ ہشام)
- ''تمہارا خون اور تمہارا مال تاقیامت اسی طرح حرام ہے۔ جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اس شہر میں حرام ہے۔'' (بخاری ومسلم)
- ''میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کیا ہے؟
کتاب اللہ۔ (بخاری ومسلم)
- ''خدا نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا۔ اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں''۔ (مسنن ابن ماجہ)
- ''ہاں۔ مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں''۔

(ابن ماجہ وترمذی)

- ''اگر کوئی حبشی بنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو''۔

(صحیح مسلم)

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ بہت طویل تھا۔ قال قولاً کثیراً (آپ ﷺ نے بہت سی باتیں فرمائیں۔ جس صحابی کو جو فقرہ یاد رہ گیا' وہ نقل کر دیا لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ اس کا ایک ایک فقرہ قرونِ وسطیٰ کے سماجی اور سیاسی نظام پر ضربِ کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں رنگ و نسل کے سارے امتیازات کو باطل کر دینے کے بعد صرف ''اتقا'' کو معیارِ فضیلت بنا دینے کا اعلان ہے۔ سماج کی طبقاتی تقسیم کا تصور جڑ سے اُکھاڑ دینے کی خوش خبری ہے۔ عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق و فرائض کی وضاحت ہے۔ غلاموں کے لئے نویدِ آزادی ہے۔ ''خاندانی وراثت'' کی عمارت کو متزلزل کرنے کے بعد یہ انقلابی اعلان ہے کہ ''اگر کوئی حبشی بنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت کرو''...... ذرا تصور کو پھیلایئے اور دیکھئے کہ ان چند فقروں میں انسان کو کتنی زحمتوں سے نجات دلائی گئی ہے اور ان اعلانات کے ساتھ کتنی ظالمانہ رسوم کی عمارتیں گری ہیں۔[13]

میثاقِ مدینہ اور قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر

بانیٔ پاکستان' بابائے قوم نے پاکستان دستور ساز اسمبلی کے اوّلین صدر اور قائداعظمؒ کی حیثیت سے قوم کے لیے جو نقشِ راہ متعین کیا' حیرت ہے 56 برس بعد بھی اور قوم میں تشتت و افتراق کے حوالے سے تلخ تجربات کے باوجود ہم اپنے اس ''میگنا کارٹا'' کے بارے میں ''غور کریں گے'' پر اَڑے ہوئے ہیں۔

انگریز قوم نے اپنے میگنا کارٹا پر عمل کیا تو وہ ایک مردہ قوم سے زندہ قوم بنی اور وحشت و جانگلیت سے نکل کر دنیا میں تہذیب پھیلانے کی دعویدار ہوئی۔ اس کا میگنا کارٹا'

یعنی منشورِ عظیم اور منشورِ آزادی 15 جون 1215ء کورنی میڈ کے مقام پر انگریز جاگیرداروں نے بادشاہ جان سے حاصل کیا جس کی رو سے انگریز قوم کو شخصی اور سیاسی آزادی حاصل ہوئی۔اس کے اصطلاحی معنی یہ ہوئے کہ کوئی بھی آئین جو بنیادی، شخصی اور دوسرے حقوق کی ضمانت دے۔

لیکن ہمارا یہ ''میگنا کارٹا''،یعنی بانی پاکستان کی 11 اگست کی تقریر شروع دن سے ہی حکمرانوں کی دانستہ بے توجہی کا شکار رہی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں اس کی اشاعت پر پابندی رہی۔تقریر قائداعظمؒ کا ذکر ہی کیا' اس دور میں تو قرآنی آیات بھی سنسر ہوتی تھیں۔ جنرل ضیاء الحق کے ''اسلامی دور'' میں ہی نہیں' خود قائداعظمؒ کی موجودگی میں بعض ذمہ دار حکومتی عمال نے اخبارات میں اس کے بعض حصے حذف کرانا چاہے۔''ڈان'' کے ایڈیٹر الطاف حسین مرحوم کی جرأت مندی آڑے آئی اور یہ تقریر من وعن شائع ہوئی۔اگر وہ نہ اڑتے تو بھی یہ تقریر پوری ہی شائع ہوتی' صرف ایک دن کا فرق پڑتا کیونکہ قائداعظمؒ ایک باخبر حکمران اور لیڈر تھے۔

قائداعظمؒ کی چالیس منٹ کی اس تقریر میں سے جو حصے حذف کرانے کی کوشش کی گئی اور جن سے ہمارے جنرل محمد ضیاء الحق خوفزدہ رہے اور جن پر آج بھی بعض لوگ معترض ہیں' وہی اس تقریر کی جان ہیں۔اسی بنا پر وہ ہمارا ''میگنا کارٹا'' ہیں' کیونکہ یہ ''میثاقِ مدینہ'' کی تابناک دستوری شقوں سے ہم آہنگ ہے۔مثلاً قائداعظمؒ نے فرمایا:۔

''...... پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ان کو جائز حد تک زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے گی۔اگر ہمیں پاکستان کی اس عظیم الشان ریاست کو خوش اور خوشحال بنانا ہے' تو ہمیں اپنی تمام اور قطعی توجہ لوگوں کی فلاح و بہبود کی طرف لگا دینی چاہئے۔خصوصاً عوام اور غریبوں کی طرف۔''

''میں پاکستان کی اقلیتوں سے بھی یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے تعاون کے

جذبے سے کام لیا، ماضی کو بھلا دیا اور جھگڑوں کو بھلا دیا اور جھگڑوں کو دفن کر دیا، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک چاہے تمہارا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو، چاہے تمہارا رنگ، ذات اور عقیدہ کچھ بھی ہو، اوّل بھی اس ریاست کا باشندہ ہوگا اور دوئم بھی اور آخر میں بھی تمہارے حقوق، مراعات اور ذمہ داریاں برابر ہوں گی۔''

''اگر آپ نے تعاون واشتراک کے جذبے سے کام شروع کیا، تو تھوڑے ہی دنوں میں اکثریت اور اقلیت صوبہ واریت اور فرقہ بندی کی بندشیں ٹوٹ جائیں گی، فنا ہو جائیں گی۔ ہندوستان کی آزادی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹیں یہی تھیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو ہم بہت پہلے آزاد ہو گئے ہوتے۔ اگر یہ مجبوریاں نہ ہوتیں، تو کوئی بھی چالیس کروڑ آدمیوں کی قوم کو زیادہ دن تک غلام نہیں رکھ سکتا تھا۔''

''حکومتِ پاکستان میں تم کو اپنے مندروں اور پرستش گاہوں میں جانے کی آزادی ہے۔ آپ کسی بھی مذہب کے مُقلّد ہوں یا آپ کی ذات اور عقیدہ کچھ بھی ہو، اس سے پاکستان کی حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یورپ خود کو مہذب کہتا ہے، لیکن وہاں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک خوب لڑتے رہے۔ آج بھی بعض ریاستوں میں وہاں مذہبی تمیزیں موجود ہیں مگر ہماری ریاست کسی تمیز کے بغیر قائم ہو رہی ہے۔ ایک فرقے یا دوسرے فرقے میں کوئی تمیز نہ ہوگی، نہ ذات اور عقیدہ کی تمیزیں ہوں گی۔

ہم اس بنیادی اصول کے ماتحت کام شروع کر رہے ہیں کہ ہم ریاست کے باشندے اور مساوی باشندے ہیں (پرجوش تالیاں)۔ ہمیں اس اصول کو اپنا مطمحِ نظر بنا لینا چاہئے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ ہندو، ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان، مسلمان نہیں رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے مذہب مٹ جائیں گے کیونکہ مذہب کو ماننا ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے۔ میرا مطلب سیاسی تمیز سے ہے، وہ سب ایک قوم کے افراد ہو جائیں گے۔''

اسلامی تاریخ میں ''میثاقِ مدینہ'' ایک بڑا ہی اہم معاہدہ تسلیم کیا جاتا ہے جو نبی

کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہودِ مدینہ کے ساتھ کیا۔ قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کے اس حصے کو ''میثاقِ مدینہ'' کی ان شقوں کی روشنی میں دیکھیں تو کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ محمد حُسین ہیکل کی تصنیف ''حیات محمدؐ'' کے مطابق:-

13- مشرکینِ مدینہ میں جو لوگ معاہدے میں شریک ہیں' ان میں سے کوئی شخص قریشِ مکہ میں سے کسی کے مال اور جان کو نہ تو پناہ دے گا اور نہ مسلمان کے مقابلے میں مکہ کے کسی قریش کی حمایت کرے گا۔

15- تمام مسلمان اس معاہدے پر متفق ہیں اور وہ اس میں سے کسی دفعہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ جس مسلمان نے اس معاہدے کا اقرار کر لیا' وہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے۔

18- اگر مسلمان جہاد میں اپنا مال خرچ کریں تو یہود کو بھی ان کے ساتھ اپنا مال خرچ کرنا ہوگا۔

19- قبیلہ بنی عوف کے یہود بھی اس معاہدے میں شامل ہیں۔[45] اگرچہ مسلمان اور یہودی ہر ایک اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کا مستحق ہوگا لیکن مشترکہ مقاصد میں دونوں ایک جماعت کے حکم میں داخل ہوں گے۔

28- مسلمانوں کی لشکرکشی کی حالت میں یہود کو بھی ان کی مالی اعانت کرنا ہوگی کیونکہ حلیف کے لیے دفعِ مضرت اپنے نفس کی حفاظت کے مطابق کرنا چاہئے' جب تک کہ اس کی جانب سے ضرر نہ پہنچے یا اس کے ذمہ کوئی جرم عائد نہ ہو۔

32- اگر مدینہ پر کوئی قوم حملہ کرے' تو دشمن کی مدافعت میں سب کو مل کر حصہ لینا ہوگا۔

33- اگر مدینہ پر حملہ آور لشکر مسلمانوں سے صلح کرنا چاہے تو معاہدے کے شرکاء کو متفق ہو کر دشمن سے صلح کرنا ہوگی۔

34- اسی طرح اگر مسلمانوں کے سوا دوسرے شرکائے معاہدہ پر حملہ ہوا اور وہ لوگ جن

کی وجہ سے حملہ ہوا ہو، دشمن سے صلح کرنا چاہیں تو مسلمان ان کے ساتھ اس معاہدے کے پابند ہوں گے۔ باستثنائے اس معاملے کے جس میں شرکائے معاہدہ میں سے کسی کے دین پر زد پڑتی ہو۔[14]

اس معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے مولف محمد حسین ہیکل رقمطراز ہیں:-[46]

''یہ تحریری معاہدہ ہے، جس کی رو سے جناب حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل معاشرۂ انسانی میں ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور فرد کو اپنے اپنے عقیدے میں آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حُرمت قائم ہوئی۔ اَموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکابِ جرائم پر گرفت و مواخذہ نے اپنا دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی (شہرِ مدینہ) اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمائیے کہ سیاسی اور مدنی زندگی کو ارتقا کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا' جس سیاست و مدنیت (دونوں) پر ابھی تک دستِ استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد و ظلم کا مَعمل بنی ہوئی تھی''۔ (ایضاً۔ صفحہ 270)

قائداعظمؒ 11 اگست 1947ء کی اس تقریر میں جب اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے تمام شہریوں کو برابر کا درجہ دیتے اور انہیں ایک قوم کے افراد قرار دیتے ہیں تو یہ چیزیں میثاقِ مدینہ کی درج بالا شق 19 سے بھی کس قدر مطابقت رکھتی ہیں۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ''پیغمبرِ انسانیت'' میں ''میثاقِ مدینہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ بڑا اہم واقعہ اس لیے ہے کہ:-

1- ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پڑنے کی نشاندہی اسی معاہدے سے ہوتی ہے۔

2- یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو بین الاقوامی معاہدوں کی اساس ہے۔

3- اس معاہدے میں بڑی اعلیٰ اقدار ہیں۔ اس میں عمیق سیاست و حکمت کارفرما ہے لیکن ابلیسی سیاست نہیں بلکہ مسلمان قوم کے لیے مستقبل کے تمام معاہدوں میں روشنی

کے مینار کا کام دیتی رہی اور دنیا کو پہلی بار درس ملا کہ ''احترامِ انسانیت'' کی بنیاد پر اعلیٰ مقاصد کو بروئے کار لانے میں کس طرح تعاون کیا جاتا ہے اور دوسری قوموں کو مذہب و ضمیر کی کتنی فراخدلانہ آزادی دی جاتی ہے۔

4- فراخدلی اور رواداری کے ساتھ اس معاہدے میں یہ حقیقت بھی مستور ہے کہ دین جبر سے نہیں پھیلایا جاتا اور دوسرے انسانوں سے مذہب کی بنیاد پر اتنی نفرت وعصبیت نہیں برتنی چاہئے کہ اعلیٰ اقدار میں تعاون نہ ہو سکے۔ مذہب کا مقصد ہی اعلیٰ اقدارِ انسانی کا قیام ہے اور سنگدلانہ تعصب وتفریق کوئی اعلیٰ قدر نہیں۔ اگر مذہب محض رسم ہے تو بے معنی ہے اور اگر انسانی قدروں کا قیام مقصود ہو تو مذہبی تعصب دور ہو کر ہی باہمی قرب پیدا ہو سکتا ہے جس کا آخری نتیجہ وحدتِ انسانی ہے۔ جب مقصد اعلیٰ ہو تو چھوٹے چھوٹے اختلافات دور ہونے میں بڑی مدد ملتی ہے اور اس کے بعد اگر فراخدلی اور رواداری ہو تو بڑے اختلافات بھی دور ہو جاتے ہیں اور قبولِ حق میں روایاتی تعصب حائل نہیں ہوتا۔''[15]

حیرت ہے کہ جن پروفیسر ڈاکٹر مہدی حسن صاحب اور بزرگ اخبار نویس جناب شفقت تنویر مرزا کو سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی استبدادی اور استحصالی خصوصیات کی مخالفت کے سبب کفر والحاد کے القابات سے یاد کیا جاتا رہا' یہاں تک کہ ان کا استاذانہ تقدس مجروح کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا' آج انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ''میثاقِ مدینہ'' کی پیروی میں کی گئی بانیٔ پاکستان' بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کی رہنما تقریر کی بغیر سنسر کے اشاعت اور اسے آئینِ پاکستان کا حصہ بنانے کے مطالبے کا شرف بھی انہیں کو حاصل ہوتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل کو اسلام کا نفاذ سمجھے بیٹھے ہیں۔

رہ گئی رسمِ اذان رُوحِ بلاؔلی نہ رہی[16]

باب دوم:
خلافتِ راشدہ کے دور میں اقلیتوں کے ساتھ سلوک

خلافتِ راشدہ کے دور میں اقلیتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ خلفائے کرام کے ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں:-

دورِ فاروقیؓ

خلیفۂ اول بہت جلد وفات پا گئے۔ آپ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورہ سے خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کیں۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی حکومت بہت وسیع ہوگئی اور بہت سے غیر مسلم لوگ اسلامی حکومت کی رعایا بنے۔ آپ نے غیر مسلم رعایا سے متعدد معاہدات کیے جن کی مشترک دفعات حسب ذیل ہیں:-

اہلِ ماہ بہراذان سے معاہدہ

حضرت نعمان بن مقرن نے اہل ماہ بہراذان سے سیدنا حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں معاہدہ کیا جس کی توثیق آپ نے فرمائی۔ اس معاہدے میں اقلیتوں کے متعلق درج ذیل دفعات شامل تھیں:-

1- ان کے اموال، نفوس اور اراضی ہر ایک پر ان کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔

2- انھیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ان کی شریعت سے تعرض کیا جائے گا۔

3- انہیں ہر سال ایک مرتبہ جزیہ (حکومتی محاصل) ادا کرنا ہوں گے۔ یہ جزیہ ہمارے مقرر کردہ امیر کو دینا ہوگا' جزیہ کے عوض ان کی حفاظت کی جائے گی۔

4- جزیہ ہر شخص کی وسعتِ مالی کے مطابق ہوگا۔

5- جزیہ کے مکلّف صرف بالغ مرد ہوں گے۔

6- انہیں نو وارد مسافروں کی رہنمائی کرنا ہوگی۔

7- گزرگاہوں کی حفاظت ان کے ذمہ ہوگی۔

8- مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن کی مہمانی اور قیام کا انتظام کرنا ہوگا۔

9- اگر انہوں نے کسی معاملہ میں دھوکا دیا یا ان شرائط میں کمی کی تو امان کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔

اہلِ ماہ دینار سے معاہدہ

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے اہلِ ماہ دینار سے جو معاہدہ کیا اور جس کی حضرت عمرؓ نے توثیق فرمائی' اس کی دفعات بھی من وعن ایسی ہی ہیں جو اوپر بیان ہوچکی ہیں۔

اہلِ اصفہان سے معاہدہ

حضرت عبداللہ بن قیس نے اہلِ اصفہان سے جو معاہدہ کیا' اس کی دفعات بھی لفظی اختلاف اور معنوی اتحاد کے ساتھ بالکل ویسی ہی ہیں سوائے اس ایک شق کے کہ اگر تم میں سے کسی نے کسی مسلمان کو قتل کیا تو تمہارے قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا۔

مردان شاہ اور اہلِ دنیاوند سے معاہدہ

حضرت نعیم بن مقرن نے جو معاہدہ اہل دنیاوند اور مردان شاہ سے کیا' اس کی دفعات بھی بالکل ایسی ہی ہیں سوائے اس کے کہ اگر تم اس معاہدہ پر قائم رہے تو تمہاری خواہش کے بغیر تمہارے معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ ہوگی۔

اہلِ قومس سے معاہدہ

اہل قومس سے حضرت سوید بن مقرن نے جو معاہدہ کیا' اس میں صرف ایک شق کا اضافہ ہے کہ مسلمانوں کی خیرخواہی کرنا ہوگی اور ان کے خلاف جاسوسی سے اجتناب واجب ہے۔

اہلِ جرجان سے معاہدہ

حضرت سوید بن مقرن نے جو معاہدہ اہل جرجان سے کیا' اس میں چند ایک

شقیں مذکورہ بالا بیان شدہ دفعات پر زائد ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:-

1- یہ کہ جزیہ دینے والا اپنی مصیبت میں اگر حکومت سے اعانت کا خواستگار ہو تو ریاست کی طرف سے اس کی اعانت کی جائے گی۔

2- جو فرد یا قبیلہ یہاں سے ترکِ وطن کرنا چاہے' اسے معاہدین کی سرحد تک امن کے ساتھ پہنچانا ریاست کا ذمہ ہے۔

رئیسِ خراسان اور طبرستان سے معاہدہ

رئیسِ خراسان اور طبرستان سے معاہدہ ہوا۔ اس میں ملکی امن و امان کے لیے ایک شق ہے کہ:

1- یہ کہ رئیس اپنے علاقے کے جرائم پیشہ افراد کی نگرانی کرے گا۔

2- مسلمانوں کے دشمنوں کو اپنے ہاں پناہ نہ دے گا۔

اہلِ آذربائیجان سے معاہدہ

حضرت عتبہ بن غرقد نے جو آذربائیجان کے عامل تھے' اہلِ آذربائیجان کو یہ معاہدہ لکھ کر دیا:-

اس خطہ کے لیے مندرجہ ذیل امور میں کامل امن و امان اور آزادی ہے' ہر قسم کی اراضی پہاڑ اور ان کے اطراف کی وادیاں، چشمے سب پر مالکین کا قبضہ رہے گا۔ ان کی جان و مال، مذہب اور شریعت سے عدم تعرض بعوض اس حد تک جزیہ کے جو وہ اپنی استطاعت کے مطابق ادا کر سکیں اور یہ بھی مندرجہ ذیل اشخاص سے ساقط ہے۔

1- کم سن بچوں سے

2- عورتوں سے

3- بے مایہ مرد سے

4- جو شخص ہماری طرف سے جہاد میں شریک ہو۔

5- اگر کوئی بیرونی شخص ان کے پاس آ کر آباد ہو جائے تو وہ بھی ان شرائط کا پابند ہوگا۔

مذکورہ بالا تمام معاہدے ایران، عراق اور دمشق میں طے ہوئے۔ اب مصر میں طے ہونے والے معاہدات میں سے چندایک دفعات جو اہلِ ذمہ سے متعلق ہیں، درج کی جاتی ہیں:-

اہلِ عین الشمّس سے معاہدہ

حضرت عمر بن العاصؓ نے مصر کے مشہور تاریخی شہر کی فتح پر اہلِ عین الشمّس کو یہ معاہدہ لکھ کر دیا:-

1- ان کی جان و مال، گرجے، صلیب، ہموار اور نشیبی اراضی اور پانی کے ذخائر ان میں سے کسی شے سے تعرض نہ ہوگا لیکن وہ اپنی عبادت گاہوں میں اضافہ نہ کریں گے اور نہ ہماری طرف سے ان میں کوئی کمی کی جائے گی۔

2- اہل نوبہ کو اپنے ہاں آباد نہ کریں۔

3- جزیہ اور اطاعت اس حلقہ کے تمام باشندوں کے اتفاقِ رائے پر ہے۔ جزیہ دریائے نیل کی طغیانی کے سال میں 5 لاکھ اور اس کے اتار کے سال پیداوار میں کمی کے حساب سے جزیہ میں بھی کمی ہوتی رہے گی۔

4- چوری کی واردات پر اصلی مجرم کے علاوہ اور کسی سے تعرض نہ کیا جائے۔

باقی تمام دفعات تقریباً وہی ہیں جو پہلے معاہدات میں مذکور ہوئی ہیں۔

اہلِ ایلیا سے معاہدہ

اب آخر میں خلافتِ راشدہ میں سب سے زیادہ مہتمم بالشان معاہدہ جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل ایلیا سے کیا۔ اس کی چند دفعات درج کی جاتی ہیں:-

عام آزادی کے متعلق

1- ان کے اموال، جان، عبادت گاہیں، صلیب، مریض، توانا ہر ایک شے سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ان سے بلاوجہ نہ پرسش ہوگی اور نہ ہی ضرر رسانی ہوگی۔

مذہبی امور کے متعلق

2- گرجوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ نہ مسمار کیے جائیں گے، نہ ان کا مرتبہ کم کیا جائے گا، نہ ان کے اندر اور باہر سے کوئی شے دور کی جائے گی، ان کی صلیب کے طول و عرض اور نقش و نگار سے بھی تعرض نہ ہوگا۔

اس کے عوض-اہلِ ایلیا

1- جزیہ میں اہلِ مدائن کی شرائط پابندی کریں گے۔

ان تمام دفعات میں جو اوپر مختلف معاہدوں میں دنیا کے مختلف علاقوں میں اور مختلف حالات میں طے پائیں۔ یہ صاف نظر آتا ہے کہ اقلیتیں بحیثیتِ انسان بالکل مسلمانوں کے برابر مراعات کی حق دار ہیں۔ ان پر کسی قسم کی ناروا قدغن نہیں لگائی گئی اور ان کو مال، جان، مذہب، رسل و رسائل حتیٰ کہ شراب اور خنزیر کی تجارت، نکاح، محرمات وغیرہ تک کی آزادی دی گئی ہے اگر یہ ان کے اپنے مذہب یا عرف میں مروّج ہو۔ آپ کے دورِ خلافت میں ہونے والے معاہدات سے یہ پتا چلتا ہے کہ کسی بھی غیر مسلم کو نہ تو جبراً مسلمان کیا گیا اور نہ ہی کسی غیر مسلم پر کوئی قدغن لگائی گئی جس سے ان کے مذہب پر زد پڑتی ہو۔ آپ کے زمانۂ خلافت کے بارے میں مستشرقین نے بہت واویلا کیا ہے کہ اس میں اقلیتوں کے ساتھ بہت ناروا سلوک روا رکھا گیا حالانکہ درحقیقت اقلیتیں آپ کے زمانہ میں بہت محفوظ و مامون تھیں۔

قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو پکڑ کر مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے۔ قاتل کو گرفتار کر کے حنین کے سپرد کر دیا گیا۔ حنین مقتول کا وارث تھا۔ حنین نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس طرح......

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے عملی طور پر تنبیہہ فرمادی

کہ خبردار کوئی مسلمان غیر مسلم اقلیتی افراد کے خون کو ارزاں نہ سمجھے۔ اس عمل سے غیر مسلم اقلیتوں کی جان کی حفاظت کا مستقل بندوبست فرما دیا۔

جہاں تک مالی امور کا معاملہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد اور ایران کی مفتوحہ زمینوں کو ان کے غیر مسلم مالکان سے چھینا نہیں بلکہ ان کے قبضے میں بدستور رہنے دیا اور ان پر نہایت ہی خفیف سا محصول لگا دیا جسے خراج کہتے ہیں۔ یہ محصول اس ٹیکس سے کئی گنا کم تھا جو وہ پہلے ایرانی حکومت کو ادا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو مرتے دم تک اقلیتوں کا خیال تھا۔ حالانکہ ایک اقلیتی فرقہ کے فرد کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرما رہے تھے مگر آخری وقت ارشاد فرمایا:-

اوصی الخلیفة من بعدی باهل الذمة خیرا ان یوفی بعهدهم وان یقاتل من ورائهم وان لایکلفهم فوق طاقتهم

(یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج)

"یعنی میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اہلِ ذمہ (اقلیت) کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان سے کئے ہوئے وعدے پورے کرے اور ان کی حفاظت کے لیے لڑے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔

حضرت عمرؓ باہر سے آنے والے لوگوں سے وہاں کی اقلیتوں کے بارے میں برابر پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بصرہ سے آنے والے ایک اقلیتوں کے وفد سے دریافت فرمایا:-

لعل المسلمون یعضون الی اهل الذمة باذی فقالوا مانعلم الاوفاء (طبری: تاریخ الملوک والامم 3: 218)

ترجمہ: شاید مسلمان اقلیتوں کو کچھ تکلیف دیتے ہیں (تو اہلِ ذمہ نے) کہا ہم نے عہد کی پابندی کے علاوہ ان میں کچھ نہیں دیکھا۔

یعنی مسلمانوں نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے' اسے پورا کر رہے ہیں۔[17]

خلافتِ فاروقیؓ میں اقلیتوں کے حقوق ومراعات

اسلامی حکومت کی سب سے بڑی ضرورت عدل وانصاف ہے اور کسی بھی حکومت کے عدل ومساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کی اقلیتوں کے ساتھ اس کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اور ان کو اس حکومت میں کیا حقوق ومراعات حاصل ہیں۔اس معیار سے فاروقیؓ عہد عدل ومساوات کا نمونہ تھا۔حضرت عمرؓ نے غیر مسلم رعایا کو جو حقوق دیئے' اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی دیگر سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نظر نہیں آتا۔

کسی بھی قوم کے حقوق کو چار عنوانات کے ذیل میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ جان' مال' عزت وآبرو اور مذہب۔ان کے علاوہ جملہ انسانی وقومی حقوق ہوتے ہیں' وہ سب انہی کے ماتحت آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں غیر مسلموں کو یہ حقوق حاصل تھے۔مفتوحہ اقوام سے جو معاہدے ہوئے' وہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔16 ہجری 637ء میں بیت المقدس کا معاہدہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں آپؓ کے الفاظ میں تحریر ہوا تھا۔

علامہ جریر طبری نے اپنی تاریخ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ فاروق اعظمؓ کے الفاظ یہ تھے:-

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے۔اس طرح پر کہ ان کے گرجوں میں سکونت نہ کی جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے۔نہ ان کو اور ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔نہ ان کی **صلیبوں** اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا''۔

اس معاہدہ پر حضرت عمرؓ کے علاوہ بڑے بڑے صحابہؓ نے دستخط فرمائے۔ جرجان

کی فتح کے وقت جو معاہدہ رقم ہوا' اس کے یہ الفاظ قابلِ ملاحظہ ہیں: ''ان کے جان' مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا''۔ آذربائیجان اور موقان کے معاہدات میں بھی جان' مال اور مذہب کے تحفظ کے بارے میں ایسی ہی تصریحات پائی جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنے عمال کو ان معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ فاتح شام کو لکھا: ''مسلمانوں کو ذمیوں (اقلیتوں) پر ظلم کرنے' ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو اور ان سے جو شرطیں طے کی گئی ہیں' ان کو پورا کرو۔'' شاہ ولی اللہ نے ''ازالۃ الخفاء' میں حضرت عمرؓ کے اس وصیت نامہ کا ذکر کیا ہے جس میں آپؓ نے ذمیوں کے حقوق کے بارے میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو وصیت کی تھی یعنی ''ان کے عہد و پیمان کو پورا کیا جائے'' ضرورت پڑے تو ان کی حمایت میں لڑائی کی جائے اور طاقت سے زیادہ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔'' علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معروف کتاب ''الفاروقؓ'' میں لکھا ہے:-

''مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی اور وہ ہر قسم کی رسومِ مذہبی ادا کرتے تھے''۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے' صلیب نکالتے تھے' ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے' ان کے پیشوایانِ مذہبی کو جو اختیارات حاصل تھے' بالکل برقرار رکھے گئے۔

علامہ ابنِ سعد نے اپنی ''طبقات'' جلد پنجم میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصبِ خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض بھی تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے ممکن تھا۔ آپؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اشنق ان کا ایک عیسائی غلام تھا' اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا ''**لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ** ''یعنی ''دین میں زبردستی نہیں ہے''۔

حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کی جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار

دیا۔ مسلمان اگر کسی ذمّی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ مولانا شبلی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کے جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔

مال اور جائیداد کے متعلق حفاظت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں، اسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں یہاں تک کہ مسلمانوں کے لیے ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ جو مشرق و مغرب کی نو زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور چار زبانوں اردو، انگریزی، فرانسیسی اور عربی میں بلا واسطہ تحریر و تقریر کی خدمت سرانجام دیتے تھے، مطالعہ اور گفتگو کی اعلیٰ استعداد جرمن، اطالوی، فارسی، ترکی اور روسی زبانوں میں بھی حاصل تھی۔ آپ نے ایک نسطوری عیسائی کے خط کے جواب میں جو اس نے اپنے دوست کو لکھا تھا، اپنے مقالہ ''عمر بن خطاب'' (مشمولہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ) میں لکھتے ہیں:-

''یہ طائی (عرب) جن کو اللہ کریم نے آج کل حکومت دی ہے، ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے جنگ نہیں کرتے بلکہ وہ ہمارے ایمان کی محافظت کرتے ہیں۔ ہمارے پادری اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور راہب خانوں کو عطیے دیتے ہیں۔''

مال گزاری اور جزیہ کے بارے میں حضرت عمرؓ بڑے محتاط رہتے تھے۔ اول یہ حساب مقامی زبانوں میں مرتب کیے جاتے۔ نیز ان کی وصولی کیلئے غیر مسلموں ہی کو عریف (ماہرین) مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ہر سال ٹیکس کی وصولی کے بعد ہر صوبے سے وہاں کے ٹیکس دہندوں کا ایک وفد مدینہ منورہ بلایا جاتا اور اس کا اطمینان کیا جاتا کہ وصولیوں میں ظلم نہیں ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس ضمن میں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ وفود

دس دس افراد (زمینداروں) پر مشتمل ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے چار دفعہ بتا کے قسم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی۔ جان و مال اور جائیداد کے متعلق جو حقوق و مراعات ذمیوں کو دیئے گئے تھے، وہ صرف زبانی کلامی نہ تھے بلکہ نہایت سختی سے ان کی پابندی کی جاتی تھی۔ مثلاً شام کو ایک کاشت کار نے شکایت کی کہ فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا ہے تو حضرت عمرؓ نے اُس پر دس ہزار درہم کا معاوضہ عائد کیا۔ حضرت عمرؓ کی رعایا پروری اور مذہبی رواداری اس بنیادی اصول پر مبنی تھی کہ ملکی حقوق اور مراعات میں ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہ کیا جائے۔ محصولات کے بارے میں بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا گیا۔ اگر ذمیوں سے جزیہ اور عشور لیا جاتا تھا تو مسلمانوں سے بھی زکوٰۃ و عشر حاصل کیا جاتا تھا۔ اگر اپاہج، ضعیف اور نادار مسلمانوں کے وظائف مقرر تھے تو اسی طرح کی مراعات ذمیوں کو بھی حاصل تھیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا گزر ایک مکان پر ہوا جس کے دروازے پر ایک بوڑھا اندھا شخص سوال کر رہا تھا۔ آپؓ نے پاس جا کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور دریافت کیا کہ تجھے کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے کہا: ''جزیہ نے، بڑھاپے نے اور ضرورت نے''۔ آپؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر تک لے گئے اور گھر میں سے کچھ لا کر اسے دیا۔ بعدازاں داروغہ بیت المال کو بلا کر آپؓ نے فرمایا: ''اگر ہم نے اس کی جوانی میں مال کھایا اور بڑھاپے میں ہم نے اسے ذلیل کیا تو ہم نے کچھ بھی انصاف نہیں کیا، پھر آپؓ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا''۔

اسی طرح ایک موقعہ پر جب آپؓ شام سے واپس آ رہے تھے تو آپؓ نے ایک ایسی قوم کا جزیہ معاف کر دیا جو اس کی ادائیگی سے معذور تھی۔ اس واقعہ کو شاہ ولی اللہؒ، مولانا شبلی نعمانی کے علاوہ شاہ معین الدین ندوی نے بھی نقل کیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ جو مستشرقینِ یورپ کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، لکھتے ہیں کہ ''شام میں مسلمانوں نے ایک یہودی کی کچھ زمین جبراً لے کر وہاں مسجد بنائی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی

تو مسجد کو ڈھا کر زمین اصل مالک کو واپس کر دی۔ اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں یہ بات لائقِ توجہ ہے کہ اگر ذمیوں نے کبھی سازش یا بغاوت کی، تب بھی حضرت عمرؓ نے ان مراعات کو ملحوظ رکھا اور حالات کو معمول پر لانے کا پورا پورا موقعہ فراہم کرتے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس ضمن میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ شام کی سرحد پر عربسوس کے لوگوں نے رومیوں سے سازش کی تو آپؓ نے وہاں کے حاکم عمیر بن سعد کو لکھا کہ جس قدر ان کی جائیداد، زمین، مویشی اور اسباب ہیں، سب کو شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دو اور ان سے کہو کہ کہیں اور چلے جائیں۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دے دو، اس کے بعد جلاوطن کر دو۔'' ''کیا آج کوئی یورپی قوم اس عفوو درگزر اور مصالحت کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے؟'' ایک جمہوری اور شخصی طریقِ حکومت میں جو چیز امتیاز پیدا کرتی ہے، وہ عوام کی مداخلت ہے۔ جس قدر رعایا کو دخل دینے کا حق زیادہ ہوگا، اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان امور میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا، مشورہ اور رائے لیتے تھے۔ عراق کے بندوبست میں عجمی رئیسوں (پارسی اور عیسائی) کو مدینہ بلا کر مالگزاری کے حالات دریافت کرتے تھے۔ اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس (سابق حاکمِ مصر) سے خراج کے بارے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے طلب کیا اور اس کی رائے معلوم کی۔

ان حالات و واقعات کی روشنی میں یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں غیر مسلموں (ذمیوں) کی جان، مال، عزت و آبرو اور مذہب کا اسی قدر استحفاظ کیا جاتا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا، حتیٰ کہ ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا بھی نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔[18]

دورِ عثمانیؓ

خلافتِ راشدہ کا تیسرا دور شروع ہی ایک ایسے المناک حادثہ سے ہوا کہ ایک غیر

مسلم نے خلیفۂ وقت پر قاتلانہ حملہ کیا اور خلیفۂ وقت جانبر نہ ہو سکے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہؓ نے غصہ میں آ کر قتل کی سازش میں ملوث تین آدمیوں کو قتل کر دیا جن میں سے ایک مسلمان اور دو عیسائی تھے۔ حضرت عبیداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ خلیفۂ ثالث نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس معاملہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے رائے لی۔ تمام صحابہ کی رائے یہ تھی کہ عبیداللہ کو قتل کر دیا جائے لیکن بعد میں خون بہا پر مصالحت ہو گئی اور خون بہا (دیت) کی رقم تینوں مقتولین کے لیے برابر مقرر کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلافت میں مسلمانوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے جانی حقوق برابر تھے۔

حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت کافی طویل رہا۔ اس لیے اس میں ذمیوں کے واقعات بہت ہیں۔ آپ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے دربار میں ایک یہودی شعبدہ بازی کے کرتب دکھا رہا تھا حضرت جندب بن کعب ازدی بھی تماشائیوں میں تھے آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا' آپ نے ان شعبدوں کو شیطانی اثر سمجھا اور یہودی کو قتل کر دیا۔ ولید نے اسی وقت آپ کو گرفتار کر لیا اور قصاص میں قتل کرنے کے لیے جیل بھیج دیا۔ آپ نے داروغۂ جیل سے پوچھا: ''کیا میں یہودی کے قصاص میں واقعی قتل کر دیا جاؤں گا''۔ داروغہ نے جواب دیا کہ ''اللہ کی رضا کی خاطر تم کو قتل کر دینا کچھ بڑی بات نہیں''۔ آپ گھبرا کر جیل سے فرار ہو گئے۔ جب ولید نے آپ کو قتل کرنے کے لیے طلب کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تو بھاگ گئے ہیں۔ ولید نے داروغہ کو نگرانی میں کوتاہی کرنے کے جرم میں قتل کر دیا۔

داروغہ کے یہ الفاظ کہ ''اللہ کی رضا کی خاطر تم کو قتل کر دینا کچھ بڑی بات نہیں'' بتاتے ہیں کہ مسلمان حکمران اقلیتوں سے جو بھی بھلائی کرتے ہیں' اس میں یہ تصور کارفرما ہوتا ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ خدا کی خوشنودی کے حصول کا ایک سبب ہے اور بایں صورت یہ بھی ایک مذہبی فریضہ ہے جو ایک طرف تو ملکی سیاست کا حصہ ہے اور دوسری

طرف سے عبادت بھی ہے۔ کجا وہ تصور کہ اقلیتیں ملکی باشندہ ہونے کے باوجود اس ملک کے برہمن نہ ہونے، گوری چمڑی نہ ہونے اور دوسری زبان بولنے کی وجہ سے کئی ایک حقوق سے محروم کردی جاتی ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی بن ابی طالبؓ: آپ کی کُنّیت ''ابوالحسن'' اور ''ابوتراب'' اور لقب ''حیدر'' (شیر) تھا۔ آپ کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام اسد رکھا جو بعد میں ''حیدر'' یا ''حیدرہ'' مشہور ہوگیا۔ آپ حضورِ اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور چوتھے نامور خلیفہ تھے۔ آپ نے چھوٹی عمر کے لوگوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ بے مثال خطیب، عظیم سپہ سالار اور صاحبِ فکر و بصیرت تھے۔

حضور سرورِ کائناتؐ نے 2 ہجری میں آپ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا اور اپنی صاحبزادی سیدۃ النسا حضرت فاطمہ الزہراءؓ سے آپ کا نکاح کردیا۔ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بطن سے حضرت علیؓ کے کئی بچے پیدا ہوئے جن میں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ ممتاز ہیں۔

حضرت عثمان بن عفّانؓ کی شہادت کے بعد آپ نے خلیفہ بننا قبول کیا۔ اگرچہ آپ کی خلافت کا دور جنگ وجدل کا دور تھا تاہم آپ نے اپنے چار سال اور نو ماہ کے دورِ خلافت میں اشاعتِ دینِ اسلام، عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی دفاع پر بھرپور توجہ دی۔

حضرت علیؓ نے اپنے اصولِ حکمرانی میں جن باتوں کو بنیادی اہمیت دی، ان میں عقیدۂ توحید، قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ﷺ پر مبنی عدل وانصاف، جنگ وجدل سے بچاؤ کی کوشش اور حالتِ جنگ میں انسانی اور اسلامی اقدار کی حفاظت، اسلامی معاشرہ اور عقائد کی تبلیغ واشاعت، ان کا احیاء اور قیام، حاکم ومحکوم میں قرب اور تعلق، بالادستی میں ناجائز فوائد حاصل کرنے سے روک تھام، کمزور اور شکست خوردہ لوگوں سے حُسنِ سلوک، دولت اندوزی کی روک تھام، قانونِ شریعت کے نفاذ میں تیزی اور سستی وغفلت سے پرہیز، اصولِ اخلاق

میں راست بازی، رحم وشفقت، سخاوت، جہالت اور غربت کے خلاف جہدِ مسلسل، تعلیم و تربیت میں ہمدردی قابل ذکر ہیں۔آپ نے مالی شعبے میں اصلاحات کیں۔ چھاؤنیاں اور قلعے تعمیر کرائے اور عدل وانصاف کا بول بالا کیا۔[19]

حضرت علی المرتضیٰؓ کا دور بہت پرآشوب تھا۔ مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا دور دورہ تھا اور حکومت کے قدم پورے طور پر نہ جمے تھے مگر اس دور میں بھی اقلیتوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں قاتل مسلمان تھا اور مقتول غیر مسلم۔آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کردینے کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ کے فتویٰ پر فیصلہ کیا مگر مقتول کے وارثوں نے دیت لے کر قاتل کو چھوڑ دینا چاہا۔ جب حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے مقتول کے ورثاء کو بلا کر پوچھا کہ تمہارے اوپر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ نہیں ہم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔تب آپ نے وہ دیت دلا دی جو مسلمانوں کی دیت کے برابر تھی۔اور فرمایا:-

من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا۔ (زیلعی:تخریج ہدایہ28)

ترجمہ: یعنی جو غیر مسلم ہماری ذمہ داری میں ہے، اس کا خون ہمارے خون جیسا ہے اور اس کی دیت بھی ہماری یعنی مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے۔

اموی دورِ حکومت

اب تک ہم نے اس بحث میں عملِ رسول ﷺ اور تعامل خلافتِ راشدہ کو بیان کیا۔ خلافتِ راشدہ تک معاملات کی نوعیت بھی کچھ اس طرح کی تھی کہ اقلیتوں کے معاملات میں کبھی بھی کسی نوعیت کا دخل نہیں دیا گیا لیکن خلافتِ بنوامیہ میں بھی خلیفہ ولید نے جامعۂ دمشق کی توسیع کرنی چاہی لیکن مسجد کے بالکل ملحقہ عیسائیوں کا گرجا تھا اور مسجد

میں توسیع اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ اس گرجا کو اس میں شامل نہ کیا جاتا۔ چنانچہ ولید نے ایک خطیر رقم کی پیشکش کی اور گرجا خرید کر مسجد میں شامل کرنا چاہا مگر عیسائی نہ مانے۔ اس نے بڑی نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن عیسائیوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس پر ولید کو غصہ آ گیا اور گرجا کو گرا کر مسجد میں شامل کر دیا۔ بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۂ راشد کا دور آیا تو عیسائیوں نے آپ کے دربار میں اس بارے میں معاملہ اٹھایا۔ آپ نے اس معاملہ پر غور و فکر اور چھان پھٹک کرنے کے بعد مسجد کے اس حصہ کو جو گرجا کی زمین میں تعمیر ہوا تھا، گرانے کا حکم دیا۔ عامۃ المسلمین کو یہ بات ناگوار گزری اور حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ اس جگہ پر ہم نمازیں پڑھ چکے ہیں، یہ مسجد بن چکی ہے، اس کو کیسے گرایا جائے گا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نہ مانے۔ اس کے بعد مسلمانوں کے ایک وفد نے عیسائیوں کے سرکردہ لوگوں سے بات کی اور ان کو کسی طرح راضی کر لیا چنانچہ عیسائی رضا مند ہو گئے اور خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ مسجد کو نہ گرایا جائے۔ تب آپ نے انہدامِ مسجد کا کام روک دیا۔[20]

باب سوم

کانگرسی وزارتیں اور اسلامی تہذیب وتمدن کونیست ونابود کرنے کے بھارتی ہتھکنڈے افکارِقائداعظمؒ کی روشنی میں

کانگرس نے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وزارتیں کیا بنالیں، اس نے یہی سوچ سمجھ لیا کہ اب ہندوستان ہندوؤں کا ہے اور یہاں ہندو راج چلے گا اور نہ تو کوئی دوسری طاقت پنپ سکتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا مذہب چل سکتا ہے چنانچہ ہندو اور کانگرسی لیڈروں نے بزعم خویش یہ اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں یعنی انگریز اور ہندو۔ یہی نہیں اُنہوں نے بندے ماترم، ترنگا، اردو اور فارسی زبان کی جگہ سنسکرت نما ہندی کو رواج دینے کے لیے عملی اقدامات شروع کر دیئے بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن اور روایات و اقدار کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اذان، گائے کا ذبیحہ، مساجد کو شہید کرکے مندر بنانے اور عیدین کی نمازوں کی ادائیگی کے دوران رکاوٹیں اور دقتیں پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا یہاں تک کہ مسلم لیگ اور مسلمانوں کی الگ اور علیحدہ قومی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ تھے وہ کٹھن اور نازک ترین حالات جب پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخ ساز سالانہ اجلاس 26 دسمبر 1938ء کو قائداعظمؒ کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوا۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں کانگریس اور کانگرسی حکومت کے ظلم اور زیادتیوں کو چیلنج کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:-

''جیسا کہ میں پیشتر بھی کہہ چکا ہوں۔ اس ملک میں چار طاقتیں کارفرما ہیں: اول

برطانوی حکومت دوسرے والیانِ ریاست اور ان کی رعایا' تیسرے ہندو اور چوتھے مسلمان' کانگریس پریس جس قدر چاہے شور مچائے کانگرس اخبار' صبح' دوپہر' شام اور رات کے ایڈیشن شائع کریں' کانگرسی لیڈر خواہ کتنا ہی شور مچا کر لکھیں کہ کانگرس قومی انجمن ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ یہ غلط ہے۔ کانگرس ایک ہندو جماعت ہے یہ حقیقت ہے اور کانگرسی لیڈر اس سے واقف ہیں۔ ایسے چند مسلمانوں کی موجودگی جن کو گمراہ کیا گیا ہے یا ان مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگرس میں ذاتی اغراض کی بناپر شامل ہیں' کانگرس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کانگرس ہندو انجمن نہیں ہے؟ میں پوچھتا ہوں کیا کانگرس مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ (آوازیں نہیں نہیں) میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا کانگرس عیسائیوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ (آوازیں۔ نہیں۔ نہیں) میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا کانگرس پسماندہ اقوام کی ترجمان ہے؟ (آوازیں: نہیں' نہیں) میں کہتا ہوں کہ آیا کانگرس غیر برہمنوں کی نمائندہ ہے؟ (آوازیں: نہیں' نہیں)

درحقیقت کانگرس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ملک میں سب سے بڑی پارٹی ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ جو خطاب چاہے' اپنے سے وابستہ کرے۔ کانگرس ہائی کمان شرابیوں کی طرح نشۂ اقتدار میں مست ہو کر جو دعویٰ چاہے کرے لیکن ان دعوؤں سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو جماعت ہی رہے گی۔

ایسے دعوے چند اشخاص کو تھوڑی دیر کے لئے مبتلائے فریب کر سکتے ہیں لیکن ہمیشہ سب لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی جا سکتی۔ مجھے یقین ہے اور غالباً آپ کو بھی یقین ہے کہ کانگرس قومی جماعت نہیں۔ جو لوگ اب غلط فہمی میں مبتلا ہیں' ان کی آنکھیں بھی جلد کھل جائیں گی (ان لوگوں کی نہیں جو بددیانتی سے کانگرس کو قومی جماعت سمجھتے ہیں)۔ یہ ملک کی بدقسمتی ہے کہ **کانگرس ہائی کمان ہندوستان میں تمام جماعتوں اور ثقافتوں کو کچل کر ہندو راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔**

نام تو قومی حکومت کا لیتے ہیں لیکن اس سے مراد ہندو حکومت ہوتی ہے۔

واردھا کی تعلیمی سکیم پر نظر ڈالیئے۔ کیا اس کی ترتیب کے وقت مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا؟ یہ تمام سکیم مسلمانوں کی عدم موجودگی میں وضع اور مرتب کی گئی۔ اس کا بانی کون ہے؟ اس کے پیچھے کس کا دماغ کارفرما ہے؟ جناب گاندھی کا۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جس مقصد اور نصب العین کے پیش نظر کانگرس قائم کی گئی تھی، جناب گاندھی اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ وہ کانگرس سے ہندوازم کی تجدید کا کام لینا چاہتے ہیں۔ مقصود ہندو مذہب کو تازہ کرنا اور ہندوستان میں ہندوراج قائم کرنا اور جناب گاندھی کانگرس سے اس مقصد کا کام لے رہے ہیں۔

مسلمانوں میں واردھا سکیم کا ردِ عمل یہی ہوسکتا تھا جو ہوا۔ آپ نے پیرپور رپورٹ پڑھی ہوگی۔ اس پر اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صورتِ حال کو ایک جملہ میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہندو ذہنیت اور ہندو نظریہ کی ترویج کی جارہی ہے اور مسلمانوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کے قبول کرنے کے لئے مجبور کیا جارہا ہے۔ کیا مسلمانوں نے بھی کسی جگہ ایسی حرکت کی ہے۔ کیا اُنہوں نے کہیں ہندوؤں کو اسلامی ثقافت پڑھنے کی جدوجہد کی ہے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے جہاں خفیف سی آواز اٹھائی کہ ہندو ثقافت کیوں ہمارے سر مڑھی جارہی ہے تو انہیں فرقہ پرست اور شورش انگیز ٹھہرایا گیا اور کانگرس کی جابرانہ قوت ان کے خلاف حرکت میں آ گئی۔ بہار کے واقعات کو ہی دیکھ لیجئے۔ کانگرسی حکومتوں میں کس کی ثقافت کو دبایا گیا؟ مسلمانوں کی ثقافت کو۔ کس کے خلاف جابرانہ احکام جاری ہوئے۔ کس کے خلاف امتناعی تدابیر اختیار کی گئیں۔ کن لوگوں کو گرفتار کیا گیا؟ مسلمانوں کو۔ مجھے ایک ایسا واقعہ بتایا جائے کہ گزشتہ ڈیڑھ سال میں مسلمانوں نے کسی جگہ ہندوؤں پر اپنی تہذیب عائد کرنے کی کوشش کی ہو (آوازیں: کسی جگہ نہیں)۔[21]

1935ء کے دستور کے مطابق انتخابات میں کانگرس نے چھ سات صوبوں میں واضح اکثریت سے انتخابات جیت لیے اور کانگرسی حکومت بنا لی تو کانگرسی لیڈروں اور

ہندوؤں نے یہ طے کرلیا کہ اب ہندوستان میں ''کانگرس راج'' یا ''ہندوراج'' قائم ہوگیا ہے اور خاکم بدہن نہ مسلمانانِ ہند رہیں گے اور نہ اسلام رہے گا یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کے قومی تشخص اور مسلم لیگ کے وجود سے انکار کردیا۔ جہاں تک عدل وانصاف اور رواداری کا تعلق ہے وہ تو ہندوؤں کے نزدیک عنقا تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ بتاریخ 15 اکتوبر 1937ء قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم اقلیتوں کے حوالے سے ببانگِ دہل اعلان فرمایا:-

''کانگرس کے موجودہ لیڈروں نے خاص کر گزشتہ دس سال کے اندر ایسی خالص ہندوانہ پالیسی اختیار کی ہے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے ذمہ دار ہے اور جب سے ہندوستان کے چھ صوبوں کے اندر اُنہوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر حکومتیں قائم کی' ہیں اُنہوں نے اپنے قول اور پروگرام سے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہرگز عدل وانصاف سے کام نہیں لیں گے۔ جہاں کہیں وہ اکثریت میں ہیں اور جہاں کہیں اُنہیں یہ فائدہ مند معلوم ہوا' انہوں نے مسلم لیگی پارٹیوں کے ساتھ تعاون سے انکار کردیا اور ان سے غیر مشروط حوالگی اور اُن کے مرتبہ معاہدات پر دستخط کرنے کا مطالبہ کیا۔

کانگرس کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنی پارٹی کو توڑ دو۔ اپنی پالیسی اور پروگرام کو ترک کردو اور مسلم لیگ کا بالکل خاتمہ کردو۔[2] جہاں انہوں نے صوبہ سرحد کی طرح یہ محسوس کیا کہ اُن کی اکثریت موجود نہیں تو وہاں پر اجتماعی ذمہ داری کا مقدس اصول غائب ہوگیا اور کانگرس پارٹی کو کسی دوسری جماعت کے ساتھ تعاون کی اجازت دے دی گئی[3]۔ اگر کسی مسلمان نے انفرادی طور پر اپنے آپ کو کانگرس پارٹی کے حوالے کر کے اس کے عہد نامہ پر دستخط کردیئے تو اس کو وزارت کا عہدہ عطا کر کے مسلمان وزیر کی حیثیت سے دکھایا گیا حالانکہ ایسے مسلمانوں کو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں کی اکثریت کا اعتماد و اعزاز ہرگز حاصل نہ تھا۔ ایسے لوگوں کو ان کی ''وفادارانہ'' خدمات' غیر مشروط حوالگی اور کانگرسی معاہدات پر غیر مشروط دستخط کرنے کے

بہانے مسلم وزراء کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اوران کواُن کی غداری کے مطابق معاوضہ بھی دے دیا جاتا ہے۔ ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگی۔ بندے ماترم اس کا قومی ترانہ ہوگا اوراس کو جبراً ہر جگہ مسلط کیا جائے گا۔ ہر کس و ناکس کو کانگرسی جھنڈے کی تعظیم وتکریم کرنی پڑے گی۔ان قلیل و بے بضاعت اختیارات وذمہ داری کی ابتدائی منزل میں ہی ہندوؤں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ **ہندوستان ہندوؤں کے لئے ہے** اور صرف کانگرس ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے قومیت کا بہروپ بھرلیا ہے لیکن ہندومہاسبھا بالکل بے نقاب ہوگئی ہے۔ میں یہ نہایت زور کے ساتھ بتادینا چاہتا ہوں کہ کانگرس کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جماعتی نفرت اور فرقہ وارانہ فسادات کے لئے سازگار حالات پیدا کرکے برطانوی ملوکیت کی گرفت مضبوط تر ہوجائے۔ میں نہایت جرأت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس بات میں حکومتِ برطانیہ کی جانب سے کانگرس کو کھیل کھیلنے کی اجازت دے دی گئی اور یہ کچھ اُس کے لئے کوئی بڑی بات بھی نہیں بلکہ بے حد مفید ہے بشرطیکہ اس کے ملوکانہ اقتدار ومفاد پر کوئی اثر نہ پڑے اوراس کا حفاظتی نظم ونسق بدستور برقرار رہے۔لیکن میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ جس وقت کانگرس نے اہلِ ہند کے اندر زیادہ سے زیادہ اختلافات پیدا کرکے متحدہ محاذ کا کوئی امکان نہ چھوڑا تو انجامِ کار ایک نہایت خوفناک ردِعمل شروع ہوجائے گا۔

یہاں یہ ذکر کردینا بے محل نہ ہوگا کہ اس قسم کی پالیسی سے جو تباہ کن نتائج پیدا ہونگے' ان کی ذمہ داری سے حکومتِ برطانیہ بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہ دے سکے گی۔ یہ نہایت واضح طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ آئین کے ماتحت گورنروں اور گورنر جنرل کو اقلیتوں کی حفاظت کے لئے جو خاص ذمہ داری عطا کی گئی تھی' وہ اس کے استعمال میں نہایت بری طرح ناکام رہے ہیں اور مسلم وزراء کے تقرر کے معاملہ میں بھی وہ دستورِ حکومت اور حکومتِ برطانیہ کی خاص ہدایات کی خلاف ورزی میں کانگرس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

کانگرس ہائی کمان مختلف آوازوں کے ساتھ بول رہی ہے۔ایک حلقے کی رائے

یہ ہے کہ یہاں پر ہندو مسلم سوال اور اقلیتوں کا کوئی جھگڑا نہیں۔ دوسرے بلند خیال طبقے کی رائے یہ ہے کہ اگر اس وقت غیر منظّم اور بے بس مسلمانوں کے رو برو چند ٹکڑے پھینک دیے جائیں تو ان کو اپنا مطیع و منقاد بنایا جاسکتا ہے۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت کسی چیز کو مسلط کیا جاسکتا ہے تو وہ یقیناً ایک افسوسناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ نے زندہ رہنے اور سیاسیاتِ ہند میں اپنا سکہ جمانے کا عزم کرلیا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کا جس قدر جلد احساس کرلیا جائے' وہ تمام جماعتوں اور مفادات کے لئے اُسی قدر مفید رہے گا۔ تیسرے حلقے کی رائے یہ ہے کہ ناقابل گزر تاریکی میں روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی لیکن جوں جوں کانگرس کو طاقت اور قوت حاصل ہوتی جاتی ہے وہ سابقہ کورے چیکوں کو پر کرنے کے وعدوں کو فراموش کرتی جارہی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ان حالات پر غور کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند ایک ایسی معین اور ہمہ گیر پالیسی کے ذریعہ سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کرلیں جس پر تمام ہندوستان میں نہایت وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کانگرسی مسلمانوں کی طرف سے غیر مشروط حوالگی کی تبلیغ بے حد خطرناک ہے۔ یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور مسلمان قوم کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی بڑی غداری نہیں ہوسکتی۔ اگر اس پالیسی کو اختیار کرلیا گیا تو میں آپ کو بتادوں کہ مسلمان اپنے مستقبل کا اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کرلیں گے اور ملک کی قومی زندگی اور حکومت میں وہ اپنے جائز حقوق سے محروم ہوجائیں گے۔ صرف ایک چیز مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ سب سے پہلے اپنی روحوں کو مسخر کرکے اپنی ان عظیم الشان روایات و اصول وحدت پر قائم ہوجائیں جو اُن کی سیاسی جماعت بندی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اگر مسلمانوں کو فرقہ پرست' ٹوڈی اور رجعت پسند کہا جاتا ہے تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں' اگر کوئی بدترین ٹوڈی اور مذموم ترین فرقہ پرست آج اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر کانگرس کے حوالے کرکے

اپنے بھائیوں کو سب وشتم کا نشانہ بنالے تو وہ قوم پرستوں کا تاجدار بن جاتا ہے۔ان اصلاحات‘ الفاظ اور گالیوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر احساسِ کمتری پیدا کر کے ان کو کمزور اور بزدل بنایا جائے نیز ہمارے اندر اختلافات پیدا کر کے ہمیں دنیا میں بدنام کیا جائے۔ یہ برے کا معیار ہے جس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی طے شدہ اور معین پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق وواجبات کی موثر حفاظت کی جائے۔اس کا بنیادی اور سب سے بڑا اصول ہے۔یہی اس کی زندگی کا نصب العین ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ اور اس کے حامیوں سے کانگرس سخت ناراض ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ ہے کیا جس پر کانگرس کو اعتراض ہے؟ کانگرس بعینہٖ وہی کچھ کر رہی ہے جس کے متعلق ہم نے آج سے دو سال قبل فیصلہ کیا تھا۔مسلم لیگ اس بات کی ہرگز اجازت نہ دے گی کہ حکومتِ برطانیہ یا اسمبلیوں کے اندر اور باہر کوئی دوسری جماعت اُن کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ کانگرس نے اپنے گزشتہ دعادی کے باوجود مسلمانوں کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا۔ یہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو حفاظت کا یقین دلانے میں سخت ناکام رہی ہے۔ کانگرس کی طرف سے مسلمانوں میں رابطۂ عوام پیدا کرنے کی فریب آلود کوشش کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اُن میں اختلاف پیدا کر کے ان کو کمزور بنایا جائے اور ان کو اپنے قابل اعتماد لیڈروں سے برگشتہ کر دیا جائے۔ یہ نہایت خطرناک تحریک ہے لیکن کوئی شخص اس سے گمراہ نہیں ہوسکتا۔مختلف النوع دلفریب دعووٗں اور نعروں کے باوجود اس قسم کی چالیں کامیاب نہ ہوسکیں گی۔اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے بغیر کوئی دیانتدارانہ اور سیدھا راستہ نہیں ہوسکتا۔ بھوک اور افلاس کے متعلق اس تمام شور کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں **سوشلزم اور کمیونزم** کا بیج بویا جائے حالانکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں۔ بحالاتِ موجودہ حکومت کے خلاف براہِ راست کارروائی کی پالیسی مسلم لیگ کے نزدیک بالکل فضول اور خودکشی کے برابر ہے۔اس قسم کی دو کوششیں اب تک ناکام ہوچکی ہیں اور ان

کے باعث لوگوں کو کافی مصیبت اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ بیس سال کے تجربہ کے بعد ان کو ترک کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر ایک زیادہ پسندیدہ دستور مسلط کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ اب اس پر عمل پیرا ہے۔[22]

بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے اپنے خطاب میں اقلیتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اوران کی جان و مال کی حفاظت کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:-

''مسلمانو! اسے کبھی فراموش نہ کرو کہ مشرقی پنجاب اور انڈین یونین میں آپ کے بھائیوں سے کیا ناروا سلوک کیا گیا ہے اور کیا کیا جا رہا ہے لیکن میں آپ سے کہوں گا کہ آپ ابتدا کبھی نہ کریں۔ صبر و تحمل سے کام لیں لیکن اگر دشمن تمہارے صبر و تحمل کو بزدلی اور کمزوری خیال کر کے آپ کی آزادی پر ہاتھ ڈالنے کے ناپاک ارادے سے آگے بڑھے تو پھر اسے بتا دو کہ زندہ اور غیور قومیں کس طرح اپنی آزادی اور عزت کی حفاظت کیا کرتی ہیں۔

میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اپنے ہاں کی اقلیتوں کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھیں۔ اُن کے ننگ و ناموس اور جان و مال کی حفاظت کریں۔ ان میں اعتماد پیدا کریں اور اپنے قول و فعل سے ثابت کر دیں کہ **پاکستان ان کے لئے ایک جنت ہے' دارالامن** ہے۔ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرو۔ اسلام صبر و تحمل کا درس دیتا ہے اور زیادتی اور انتقام سے روکتا ہے۔

اس پُر آشوب دور میں آپ پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں' آپ کو جن مصائب کا سامنا ہے' ان مصائب میں تمام دنیا کے ممالک اور اقوام کی بالعموم اور اسلامی ممالک کی بالخصوص ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ پاکستان کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں تو متحد ہو جایئے' منظّم ہو جایئے' ضبط و نظم سیکھیئے۔[23]

بانیٔ پاکستان بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ نے اپنی تقریر میں اسلامی روایات اور تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے اقلیتوں پر دوٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ:-

''میں اُن لوگوں کو سمجھنے سے قاصر ہوں جو یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ **پاکستان کا**

نظامِ حکومت شریعتِ مطہرہ اسلامیہ پر مبنی نہ ہوگا۔ یہ لوگ دیدہ و دانستہ شرارت پھیلا رہے ہیں۔ اسلام کے اصول اپنی نظیر آپ ہیں۔ یہ اصول اب بھی حیاتِ انسانی کے لئے اُسی قدر مفید اور کارآمد ہیں جتنے آج سے چودہ سو سال قبل تھے نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی۔ خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلام نے جمہوریت، مساوات، عدل وانصاف اور آزادی کی تعلیم دی ہے۔ ان اصولوں سے ڈرنے کی کسی کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں۔

آیئے! ہم پاکستان کا نظامِ حکومت مرتب کریں اور دنیا پر ثابت کر دیں کہ ہم دنیا میں اعلیٰ اخلاق، تہذیب، تمدن اور آئین کے حامل ہیں۔

بہت لوگ اسلام کی روحانی، اخلاقی اور دینی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے مشعلِ ہدایت ہے۔ سیاست اور تمدن وغیرہ پر اسلامی قانونِ شریعت حاوی ہے اسلام کے نزدیک سب انسان مساوی ہیں۔[24]

قیامِ پاکستان کے آٹھ ماہ بعد پاکستان اور پاکستانیوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن ملت اسلامیہ نے نہایت جان فروشی، محنت، لگن اور بلند وارفع مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر قسم کے مصائب اور مشکلات پر قابو پالیا جبکہ اقلیتوں اور غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک رواداری اور اپنائیت کا وہ مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ قائداعظمؒ نے اسی صادق جذبے کا ذکر کرتے ہوئے اعلان فرمایا:-

"عظیم المرتبت انسانی نصب العین کے حصول کی راہ میں ہر ممکن دشواریاں اور مشکلات حائل کر دی گئیں مگر مخالفت و عداوت کی کثیف فضا میں گھٹ کر مر جانے کے بجائے وہ بلند اور ارفع و اعلیٰ مقاصد میں زندہ رہنے کی جدوجہد کرتے رہے اور بالآخر کامیاب ہو گئے۔ اِسی جدوجہد کی کامیابی کا نام حصولِ پاکستان ہے۔

آج ہماری نوزائیدہ ریاست پاکستان کی عمر مشکل سے آٹھ ماہ ہے لیکن اگر ہم اپنے مختصر سے ماضی پر نظر دوڑائیں اور اپنی قومی زندگی کے اس مختصر عرصہ کا جائزہ لیں تو

ہمیں سماجی معتقدات کا حیرت انگیز ارتقا نظر آئے گا۔ انسان اور انسان کے تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں ہماری کوششیں بے حد بار آور ثابت ہوئی ہیں۔

ہر غیر جانبدار اور مُنصف مزاج مبصر کو یہ ماننا پڑے گا کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ نہ صرف یہ کہ پاکستان میں اقلیتیں آزادی سے رہ رہی ہیں بلکہ ان کو اپنا کہا منوانے اور اپنی بات پر زور دینے کے بھی پورے پورے مواقع حاصل ہیں۔ بعض لوگوں نے تو ایسی بحثیں چھیڑ دیں جو ہنگامی دور میں پاکستان کی بنیاد ہلا ڈالتیں مگر ایسا نہیں ہونے پایا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عوام بیدار ہو چکے تھے اور وہ کسی چال میں نہ پھنسے۔ صرف اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کس رخ پر جا رہے ہیں۔ اِس سے بہتر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کہ ہم ایسی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں جو مساوات اور سماجی اصولوں پر مبنی ہو۔ اگر ہم دوسروں کے ساتھ انصاف و رواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم آپس میں عدل وانصاف سے کام نہ لیں۔

چاٹگام کو قدرت نے شان وشوکت ودیعت کی ہے۔ اِس کے باشندے قدرتی طور پر اس کی عظمت وخوش حالی کے حق دار ہیں۔ یہ شاندار بندرگاہ جس میں ترقی کی تمام وسعتیں موجود ہیں، صدیوں سے پاکستان کے اور بہت سے علاقوں کی طرح اغیار کے ہاتھوں بے توجہی کا شکار رہی ہے۔ اس بے توجہی اور ناروا سلوک کو مٹانا ہی پاکستان کے قیام کی سب سے بڑی غایت ہے۔ اب جبکہ ہم اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے آزاد ہیں، ہم اس کی شاندار تعمیر سے کسی طرح کی بے توجہی گوارا نہیں کریں گے۔ اب ہمیں عزم وہمت اور یقین کامل کے ساتھ اپنے مستقبل کی نگہداشت کرنا ہے۔ مشرقی پاکستان کا صدر دروازہ ہے۔ قدرت کی فیاضیوں نے آپ کو مالا مال کیا ہے۔ آپ کی سرزمین ایک حسین چمن زار ہے جس میں ہر طرف سمندر، دریا، پہاڑ اور عظیم الشان مناظر ہیں۔ اب یہاں کے ہر باشندے کا فرض یہ ہے کہ وہ اِس مقام کو اِس کے شایانِ شان بنانے میں پوری جدوجہد سے حصہ لے۔ آپ کے

عزائم، محنت و مشقت اور آپ کی حکومت کی عملی سرگرمیاں منزلِ کامرانی حاصل کر کے رہیں گی۔ خدا آپ کا حامی و مددگار ہو۔

آپ میرے جذبات اور کروڑوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر مبنی ہونی چاہئے۔ اسلامی سوشلزم کے علاوہ کوئی اور ''ازم'' قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ یہی وہ ''ازم'' ہے۔ جو انسانی اخوت اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ آپ جب یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ریاست کے ہر شہری کو ترقی کے برابر کے مواقع ملنے چاہئیں تو آپ میرے دل کی بات کہتے ہیں۔ ترقی کی یہ منازل ہرگز متنازعہ فیہ نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے پاکستان کو صرف اس لیے حاصل کیا کہ ہم طبعی، روحانی، جسمانی اور فکری آزادی حاصل کریں اور اپنے معاملاتِ زندگی کو اپنے مقتضیات اور روایات کے مطابق ڈھال سکیں۔

انسانی اخوت، مساوات اور بھائی چارہ ہمارے تمدن کے بنیادی اصول ہیں۔ ہم نے جنگ پاکستان کے لئے لڑی کیونکہ ہمیں اندیشہ تھا کہ ہم اس برعظیم میں اپنی زندگی کی قدر و منزلت اور صلاحیتوں کو زندہ نہ رکھ سکیں گے اور ہمیں خطرہ تھا کہ ہم کہیں ان بنیادی انسانی حقوق سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔ صدیوں تک ہم بیرونی طاقت کے غلام رہے اور ذات پات، چھوت چھات پر مبنی نظامِ زندگی کے اثرات ہم پر حاوی رہے۔ دو صد سالہ ذہنی فکری اور جسمانی غلامی کے بعد ہم نے سوچا کہ اگر زمانہ اِسی نہج پر چلتا رہا تو نہ صرف یہ کہ مسلمان کا وجود انسانی فرد کی حیثیت سے دنیا سے ختم ہو جائے گا بلکہ یہ کہ مسلمان من حیث القوم دنیا کے پردہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے۔ چنانچہ ہم نے اپنے سامنے ایک ارفع و اعلےٰ نصب العین رکھ کر کے حصول کی جدوجہد کی۔ اس جدوجہد میں جی جان سے کوشش کی اور تن من دھن کی قربانیاں دینے سے ذرا نہ ہچکچائے۔

پاکستان کے حصول اور اس کے لیے جدوجہد بھی انسانی عقیدہ کی جنگ تھی۔ یہ بے

شمار دقتوں اور بے پناہ مشکلات کے باوجود لڑی گئی۔اس جدوجہد کے بعد 15 اگست 1947ء کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی روز ایک نئی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ایک نیا ملک بنا تھا اور ایک نئی قوم قائم ہوئی تھی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ اب تک 15 اگست کی اہمیت نہ سمجھ سکے ہوں مگر ہمیں چاہئے کہ حالات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔جتنی جلدی ہم اس اہمیت کو سمجھیں گے اتنی ہی جلدی ہم اپنے ملک وقوم کی ترقی کے بے شمار وسیلوں کو استعمال کرسکیں گے اور اسی میں پاکستان کی بہتری مضمر ہے۔اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ ہم انسانی ترقی' انصاف' مساوات اور برابری کے اصولوں کو سمجھ سکیں جو ایک طرف پاکستان کے قیام کا موجب بنے اور دوسری طرف ہماری حکومت کے معیاری معاشرتی نظام کو بنانے میں مدد دیں۔

ذات پات کی تمیز کی بنیاد پر جو سماج قائم ہے۔اس میں نہ صرف ہمارے جسم بلکہ جذبات کے ختم ہونے کا بھی خطرہ تھا اور اسی خطرے کی وجہ سے پاکستان بنا۔اب ہم آزاد ہیں۔ہمیں آزادی ہے کہ جس طرح چاہیں ترقی کریں' اس لئے اس جذبہ کو صرف حکومت کے نظام پر ہی نہیں بلکہ پوری قوم پر اثر انداز ہونا چاہئے[25]۔

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے مسلمانانِ ہند برصغیر میں ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے۔اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو مسلمانوں کی ایک خود مختار اسلامی اصلاحی اور رفاہی مملکت قائم ہوگئی اور چونکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں کو خاص مراعات اور حقوق دیے گئے ہیں چنانچہ قائداعظمؒ نے انہی روشن تعلیمات کے پیش نظر قیامِ پاکستان کے بعد اپنی ایک تقریر میں انہیں یقین دلاتے ہوئے فرمایا:۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان اپنے ان وعدوں پر اب بھی قائم ہے جو اس نے پاکستان کے تمام باشندوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کے ضمن میں کئے۔ پاکستان اس قوم کے خواب کی تعبیر اور آرزوؤں کا ثمر ہے جو برعظیم ہند میں ایک اقلیت کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ملک کی اقلیتوں سے لاپرواہی اور تغافل

برتے۔ حکومت اقلیتوں کے خوف اور شبہات کو دور کرنے کے لئے صدقِ دلی کے ساتھ کوشش کررہی ہے۔ اگراس کے باوجود اقلیتوں پر خوف ودہشت طاری رہے اور وہ پاکستان سے نقل مکانی کرتی رہیں تو اس کا یہ سبب نہیں کہ حکومت ان لوگوں کی پاکستان میں موجودگی کو برداشت نہیں کرتی بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے سرحد کی دوسری جانب رہنے والے لوگوں کی باتوں پر کان دھرے جو انہیں پاکستان سے باہر لانے پر تلے ہوئے ہیں۔

مجھے ان گمراہ لوگوں پر ترس آتا ہے کیونکہ انہیں موعودہ ملک میں جا کر نہایت مایوسی ہوگی۔ میں اس امر کو محسوس کرتا ہوں کہ گذشتہ چند ماہ میں حکومت نے کچھ لوگوں کی ذاتی اور انفرادی املاک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ آپ کو حکومت کے اس فعل سے زیادہ ناخوش نہ ہونا چاہئے۔ پاکستان کے سرکاری ملازمین اور غیرملکی سفیروں کے لئے معقول اور مناسب جگہ کا انتظام ضروری تھا۔ اس انتظام کی وجہ سے مقامی باشندوں کو تھوڑی بہت تکلیف و پریشانی لاحق ہونا بالکل ناگزیر تھا۔ ایک بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد سے یہ سلسلہ اور بھی پیچیدہ ہوگیا۔ ان بدقسمت لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کی ضرورت ہے اور ان کی آبادی کے سلسلہ میں آپ لوگوں کو امداد و رعایت کرنی چاہئے۔

پاکستان میں مسلمان، عیسائی، پارسی اور ہندوؤں کو تجارت، صنعت وحرفت، قابلیت اور ذہانت کے جوہر دکھانے کے یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔ پاکستان کا ہر وفادار اور سچا شہری زندگی کے تمام شعبوں میں یکساں طور پر ترقی کر سکے گا۔ میں اقلیتوں سے کہوں گا کہ وہ خوف وہراس کو دل سے نکال دیں۔ سرحد کے اُس پار سے جو آوازیں اُنہیں پکار رہی ہیں اور غلط اور کٹھن راستے پر ڈالنے کی نامسعود کوشش کررہی ہیں، اُن پر دھیان نہ دیں بلکہ ایک وفادار شہری کی طرح ہمارے دوش بدوش پاکستان کی خوش حالی اور ترقی کے لئے محنت کریں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان میں اُن کی جان ومال، عزت وآبرو بالکل محفوظ رہیں گے۔ اُن کے لئے ترقی کی تمام شاہراہیں کھلی ہوں گی جو مسلمانوں کے لئے وا ہوں گی۔ پاکستان

میں اُن کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا جائے گا۔ اُنہیں وہ تمام مراعات دی جائیں گی جو کسی آزاد ملک میں ایک اقلیت کو حاصل ہوتی ہیں۔ پاکستان کی حکومت اپنے ہاں کے باشندوں میں کوئی تفاوت روانہ رکھے گی لیکن اگر اقلیتیں پاکستان کی وفادار بھی نہ ہوں اور پاکستان کی تخریب کے درپے ہوں اور دوسروں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہوں تو پھر ان کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ پاکستان سے چلی جائیں۔ **غداروں، جاسوسوں اور پاکستان کی آزادی کے دشمنوں کے لئے اس ملک میں کوئی جگہ اور پناہ نہیں**، لیکن پاکستان کے ہر سچے شہری کو مکمل آزادی حاصل ہوگی۔ اس کا مذہب، اُس کا تمدن اور تہذیب، اُس کی ثقافت اور اُس کی عبادت گاہیں آزاد ہوں گی اُن کی حفاظت کی جائے گی، لیکن انہیں بھی پاکستان کو ایک عظیم اور خوشحال ملک بنانے میں اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔

میں پاکستان میں بسنے والے ہر فرقے اور قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت اُن کے جان و مال، عزت و آبرو، تہذیب وتمدن اور مذہب وثقافت کی حفاظت کرے گی۔ اِس واضح یقین کے بعد اقلیتوں کے ہراساں ہونے کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔[26]

اقلیتوں کے حوالے سے قائداعظمؒ کے افکار و نظریات کا گہرا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی یہ شدید خواہش تھی کہ پاکستان اور ہندوستان میں اقلیتوں کو یقین دلائیں کہ ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی کامل حفاظت کی جائے گی اور دونوں حکومتیں ان سے منصفانہ اور فیاضانہ سلوک کریں گی نیز یہ کہ جہاں تک پاکستان میں مقیم ہندوؤں کا تعلق ہے وہ بھی خلوصِ دل سے حکومتِ پاکستان کے ساتھ تعاون اور اشتراکِ عمل کریں گے چنانچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے منصّہ شہود پر آنے کے بعد قائداعظمؒ نے پاکستانی اقلیتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''میں ہندوؤں کو مشورہ دونگا کہ وہ خلوصِ دل کے ساتھ حکومتِ پاکستان کے ساتھ تعاون اور اشتراکِ عمل کریں۔ اسی صورت میں حکومت کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ

اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکے۔

اقلیتوں کے ساتھ پاکستان میں دنیا کے بہت سے ملکوں سے جن میں ہندوستان بھی شامل ہے، بہتر سلوک کیا جارہا ہے۔ پاکستان میں ہر شخص کی جان و مال محفوظ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت پاکستان کے مختلف محکمے زیادہ بہتر طریق سے اپنے فرائض سرانجام نہیں دے سکتے۔ حکومت کے مختلف شعبوں میں بہتری اور سدھار کی کافی حد تک گنجائش ہے لیکن ان کو درست کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو حکومت کے ہر شعبہ کے ساتھ پوری طرح تعاون اور اشتراکِ عمل کریں اور صرف اسی صورت میں حکومت اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکے گی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابھی تک عوام کی ذہنیت نہیں بدلی اور وہ ابھی تک عوام کی حکومت کو غیر ملکی حکومت تصور کرتے ہیں۔ انقلابی اور بنیادی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ اس صورت میں حکومت ایسا کوئی کام کیسے کرسکتی ہے جس سے عوام کی بھلائی مقصود نہ ہو اور حکومت کے متعلق عوام میں شکوک اور شبہات کی بھی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ حکومت عوام کی بہتری اور بہبودی کے لئے پوری پوری کوشش کرے گی۔ اگر عوام کو کوئی شکایت ہے تو اس کا فرض ہے کہ حکومت سے شکایات کے ازالہ کا مطالبہ کرے نہ کہ حکومت کے خلاف اخبارات میں پروپیگنڈا کیا جائے جس سے صورت حال کے اور مزید بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

اب تک اُنہوں نے شکایت نہیں کی کہ وزیر اعظم مشرقی بنگال تک کسی کی رسائی نہ ہوسکی۔ ہر شخص ان تک پہنچ سکتا ہے مگر ضرورت اس چیز کی ہے کہ لوگ اپنی ذہنیت بدل ڈالیں۔ حکومتِ پاکستان اپنے ان وعدوں کو پورا کرے گی کہ پاکستان کے تمام باشندوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے گا۔ اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے گا۔ لیکن آپ لوگوں کو ذرا صبر سے کام لینا چاہئے کہ ہم اپنے وعدوں اور اعلانات کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

پاکستان کسی طاقت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ ہم ہر گز مشترکہ مرکز کے ماتحت کسی صورت میں بھی پاکستان اور ہندوستان کی یونین قائم کرنے کی تجویز کو قبول نہیں کریں گے۔

دوقوموں کی تھیوری محض ایک نظریہ نہیں بلکہ نا قابلِ تردید اور واضح ترین حقیقت تھی۔ اِس سرزمین میں جو بھیانک اور وحشتناک واقعات رونما ہوئے ہیں اور ہور ہے ہیں۔ وہ اِس حقیقت کو اور زیادہ روشن کردیتے ہیں کہ دوقوموں کا نظریہ صحیح تھا۔ انڈیا یونین مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر اِس امر کا ثبوت مہیا کر رہی ہے اور ہندوستانی حکومت کا یہ اقدام اس نظریہ کی عملی تصدیق کرتا ہے کہ مشترکہ ہندوستان میں نہ مسلمانوں کا جان و مال محفوظ رہتا۔ نہ مذہب وتہذیب اور ننگ و ناموس محفوظ رہ سکتے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا قتلِ عام ایک منظّم سازش کا نتیجہ ہے۔ اس سازش کا مقصد پاکستان کی نئی سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کرنا ہے۔ بحالاتِ موجودہ ان افسوسناک واقعات کا واحد تدارک یہی ہے کہ انڈین یونین امن اور دوستی کی خواہاں ہے تو شرانگیز عنصر کو پوری طاقت اور سختی سے دبادے۔ سازشوں کی کامل بیخ کنی کرے اور ان گہری سازشوں کے پیچھے کام کرنے والے عناصر کا قلع قمع کردے۔ اگر حکومتِ ہندوستان ایسا نہیں کرتی تو اس سازش میں وہ برابر کی شریک اور حصہ دار ہے۔ دونوں ممالک کا فرضِ اولین یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں کامل امن قائم رکھیں اور قانون کی پابندی کے لئے پوری سرگرمی اور مستعدی سے کوشش کریں۔ دونوں مستعمرات نے باضابطہ معاہدہ کے نتیجے کے طور پر ملک کی تقسیم کو منظور کیا ہے۔ اب ہمیں ماضی کے قصہ ہائے پارینہ کو بھلا کر آپس میں دو آزاد سلطنتوں کی طرح دوستانہ تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور عہد کر لینا چاہیے کہ وہ آئندہ ایک دوسرے کی سیاسی اور اقتصادی طور پر بہت مدد کر سکتے ہیں۔

دونوں نوآبادیوں میں اقلیتوں کو یہ یقین دلانا اشد ضروری ہے کہ ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی کامل حفاظت کی جائے گی اور دونوں حکومتیں ان سے منصفانہ اور فیاضانہ سلوک کریں گی۔ پاکستان یقین دلاسکتا ہے کہ وہ اس پالیسی پر کاربند ہے اور ہمیشہ کاربند رہے گا اور اپنی تمام اقلیتوں میں حسبِ سابق اعتماد و تحفظ کا احساس پیدا کرنے کے لئے

کوشاں رہے گا بشرطیکہ ہندوستان بھی ایسا یقین دلانے کے لئے تیار ہو۔

حکومتوں پر بے شک کئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ عوام کے بھی کچھ فرائض ہیں۔ ہر باشندے کو چاہئے کہ وہ اپنی حکومت کا وفادار رہے۔ حکومت ہر باغی فرد یا جماعت کو کچلنے کے لئے کافی طاقت رکھتی ہے اور ایسے معاملات کے انسداد کے لئے حکومت کا ہاتھ ہر باغی اور قانون شکن کی گردن تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہم وفاداری کے امتحان کے لئے کوئی خاص معیار قائم نہیں کریں گے۔ ہم پاکستان کے کسی ہندو سے یہ دریافت نہیں کریں گے کہ آیا پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ چھڑنے پر وہ ہندوستان کے ہندوؤں کو اپنی گولی کا نشانہ بنائے گا یا نہیں۔ ہم انہیں اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کسی اور امتحان میں بھی نہیں ڈالیں گے کیونکہ واقعات خود ہی کسی شخص کی وفاداری کی جانچ کا بہترین معیار بن جاتے ہیں۔

انڈین ڈومینین کی مسلم اقلیت کے متعلق بعض شرانگیز یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں کہ مسلم لیگ نے ہندوستان کے مسلمانوں سے غداری کی ہے اور یہ کہ پاکستان کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور آئندہ ان پر کیا بیتے گی لیکن یہ لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس چیز کا کامل علم تھا کہ وہ ہندوستان میں ایک اقلیت کی حیثیت میں ہوں گے لیکن اقلیت بن جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی قوم یا ہندوستان کے مسلمان اپنی عزت و ناموس کا جنازہ نکال دیں۔ خودداری اور حقِ تحفظ کو خیر باد کہہ دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ چپ چاپ تمام مظالم کا نشانہ بنتے رہیں۔ کس کو معلوم تھا کہ ہندوستان میں ایک مضبوط عنصر مسلمانوں کا وجود ختم کرنے کے درپے تھا اور اس پروگرام کی تکمیل کے لئے ایک منظّم سکیم تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے امید ہے کہ انڈین یونین کی حکومت اس غنڈہ گردی کو سختی سے دبا دے گی ورنہ دونوں قوموں میں ایسی تلخی پیدا ہو جائیگی جو صدیوں تک نہ جا سکے گی اور جس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔ نسل بعد نسل

بھی یہ دشمنی ختم نہ ہو سکے گی[27]۔

ہم پیشتر ازیں بیان کر چکے ہیں کہ قائداعظمؒ نہایت شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتے تھے کہ پاکستان میں مقیم اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور فیاضانہ سلوک روا رکھا جائے بشرطیکہ اقلیتیں بھی پاکستان کی وفادار ثابت ہوں۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے اقلیتوں کو یقین دلاتے ہوئے فرمایا:-

''خدا تعالیٰ نے ہمیں اب یہ ثابت کرنے کا سنہری موقعہ عطا کیا ہے کہ ہم ایک نئی سلطنت کے عظیم الشان معمار ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ آنے والی نسلوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ دیں کہ ہم اس کام کی انجام دہی کے اہل ثابت نہیں ہوئے۔

دوسرا اہم مسئلہ جو مجھے سخت مضطرب رکھتا ہے یہ ہے کہ اقلیتوں سے نہایت احسن سلوک کیا جائے۔ میں نجی صحبتوں اور تقریروں میں بارہا اعلان کر چکا ہوں کہ اقلیتوں سے ہمارا رویہ منصفانہ ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ اقلیتوں نے ہمیں ان دعاوی کو ثابت کرنے کا موقع نہ دیا اور نہ ہی انہوں نے پاکستان کے شہریوں کی حیثیت میں موجودہ نازک مرحلہ پر ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔

جب ہندوستانی آبادی کے حالات کا مشاہدہ کرتا ہوں تو مجھے وہاں کی مسلم اقلیت سخت مصائب اور ناانصافیوں کی شکار دکھائی دیتی ہے۔ ہندومت کے بعض عناصر پنجاب کے مسلمانوں کی تباہ حالی اور خانماں بربادی سے مطمئن نہیں ہوئے۔ اب وہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر کے انہیں ہندوستان سے نکالنے کے درپے ہیں۔ مسلمان نہایت منظّم طاقتوں کے ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ یہ مجبور محض مصیبت زدگان اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہم نے ان سے غداری کی۔ یہ امر باعث صد افسوس ہے کہ حالات نے موجودہ شکل اختیار کر لی۔ تقسیم ہند کے مسئلہ پر مفاہمت کے وقت یہ پختہ وعدہ کیا گیا تھا کہ دونو آبادیاتی حکومتیں اقلیتوں کی پوری پوری حفاظت کریں گی اور

جب تک وہ اپنی اپنی حکومت کی وفادار رہیں گی، انہیں کسی قسم کا خوف وخطرہ نہیں ہوگا۔ اگر حکومتِ ہندوستان کی پالیسی یہی ہے (جیسا کہ مجھے یقین ہے) تو اُسے مسلمانوں پر ظلم وستم کی موجودہ تحریک کوفوراً بند کردینا چاہئے۔ اگر مظالم کی یہ اندوہناک کارروائیاں بدستور جاری رہیں تو یہ صورتِ حال دونوں حکومتوں کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کے لئے میرا مشورہ یہی ہے کہ وہ اپنی حکومت کے ساتھ مکمل اظہارِ وفاداری کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے تیئں پھر سے منظّم کرتے ہوئے ایسی قیادت کومعرضِ وجود میں لائیں جوموجودہ خطرناک دور میں ان کی صحیح رہنمائی کرسکے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہندوستانی حکومت غلط اندیش لوگوں کے زیرِاثر اپنا نام بدنام نہیں کرے گی جو وحشیانہ اور بہیمانہ طریقوں سے ہندوستان کے مسلمانوں کا وجود ختم کرنے پر مصر ہیں۔ اگر اقلیتوں کے مسئلہ کا قطعی حل نہایت وسیع پیمانہ پر تبادلۂ آبادی ہی تصور کرلیا گیا ہے تو دونوں حکومتوں کو یہ مسئلہ خود نپٹانا چاہئے اور انہیں خون کے پیاسے عناصر کے رحم و کرم پر چھوڑنا ہرگز روا نہیں۔

ہندوستانی حکومت کوسوچنا چاہئے کہ وہ عناصر جو آج مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں وہ کل حصول اقتدار کے لئے کانگرسیوں پر بھی ہاتھ دراز کرسکتے ہیں۔ ایسے واقعات سے دونوں مملکتوں میں ایسی خلیج پیدا ہوجائے گی جسے جنگ کی ہولناکیاں بھی ختم نہ کرسکیں گی۔ خونریزی اور تباہی کا ایک ایسا دور شروع ہوجائے گا جو نسل بعد نسل بھی ختم نہ ہوسکے گا۔

پاکستان کے غیور سپوتوں سے میری ایک اپیل ہے کہ وہ ضبط ونظم، خوداعتمادی اور یقین محکم سے کام کئے جائیں۔ اپنی قوتوں کومجتمع کریں اور ملک کومضبوط اور ترقی یافتہ ملک بنائیں، اپنی طاقت کو بڑھائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ مضبوط ہوں گے تو ہندوستان کے مسلمانوں پر وہاں کی حکومت ظلم کرنے سے اجتناب کرے گی[28]۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا اٹھارہواں سالانہ اجلاس سر شیخ عبدالقادر کی صدارت میں بمقام دہلی 29 تا 31 دسمبر 1926ء انعقاد پذیر ہوا۔ پانچ سو سے زیادہ مسلمانوں نے اجلاس میں شرکت کی جن میں اسی 80 کے لگ بھگ ڈیلی گیٹ تھے۔ ممتاز اور چوٹی کے مسلم زعماء جو اجلاس میں خصوصی طور پر شریک ہوئے' ان میں ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ' سر عبدالرحیم' سر محمد عبداللہ اور سر رحیم بخش شامل تھے۔

خان بہادر پیرزادہ محمد حسین' چیئرمین استقبالیہ کمیٹی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ جو صدارت کے عہدۂ جلیلہ سے ریٹائر ہو رہے تھے' اُنہوں نے سر شیخ عبدالقادر کو کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دیتے اور حاضرین سے ان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:-

"Sir Abdul Qadir was a man who distinguished himself in various branches of life, and rendered great services to the community. There was no doubt that Sir Abdul Qadir would guide them right, and that under his Presidentship, the Muslim League would complete its session snccessfully".

سر عبدالقادر نے 29 دسمبر 1926ء کو اپنا طویل خطبۂ صدارت پیش کیا۔ دوسری نشست (30 دسمبر)' تیسری نشست (31 دسمبر کی صبح)' اور چوتھی نشست قراردادوں کے لیے مخصوص تھی۔ قراردادوں میں سر عبدالرحیم' ملک برکت علی' سید حبیب شاہ' مرزا علی محمد خان' خان بہادر مسعود الحق' شیخ دین محمد' مولوی محبوب عالم' میاں عبدالعزیز' ڈاکٹر شفاعت احمد خان' جناب ایم ای چھاگلہ' مولوی محمد یعقوب' مرزا اعجاز حسین' ڈاکٹر سیف الدین کچلو' خواجہ گل محمد' جناب ایل کے حیدر اور قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھرپور حصہ لیا۔ 31 دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے دوپہر کے کھانے کے بعد جو قرارداد پیش کی' وہ اجلاس کی اہم ترین قرارداد تھی جو ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے بارے میں تھی۔ قرارداد کا متن مندرجہ ذیل ہے۔ اس

میں خاص طور پر ''اقلیتوں'' کے حقوق کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے:-

مسلم لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے موجودہ آئین میں کچھ ترمیمات کی جائیں۔اس لئے وہ حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ بغیر کسی پس وپیش کے فوراً ایک رائل کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ تحقیقات اور جانچ پڑتال کے بعد کمیشن کوئی ایسی سکیم مرتب کرے جس کی رو سے ہندوستان میں بہت جلد ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی شرائط شامل ہوں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کیلئے کسی قسم کا آئین مرتب کرنے کے وقت حسب ذیل اساسی اصولوں کے تحفظ کا خاص طور سے خیال رکھنا لازمی ہے:-

1- ملک کی ہر مجلس مقنّنہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی کافی نمائندگی کا سامان کیا جائے اور کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر تبدیل نہ کیا جائے۔

2- اقلیت کی نمائندگی کے لیے جداگانہ انتخابات قرار دیے جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیر عمل لا سکے۔

3- اگر کسی وقت علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت بنگال، پنجاب و شمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔

4- ہر جماعت کو اپنے مذہبی معاملات، عقائد اور عبادات کی ادائیگی اور اشاعتِ تعلیمات میں مکمل آزادی ہونی چاہیے۔

5- اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بناء پر مخالفت کریں کہ یہ ان کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانون یا تجویز منظور نہ کی جائے۔

مسلم لیگ ایک کمیٹی مقرر کرتی ہے۔کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ ''ہندوستان کے دیگر

سیاسی اداروں سے تبادلۂ خیال کرتے ہوئے ایک اسکیم مرتب کر کے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے پاس غور وخوض کرنے کے لئے بھیجے جسے مسلم لیگ کی نظر ثانی کے بعد رائل کمیشن کے پاس بھیجا جائے گا۔ نیز مسلم لیگ ہر صوبہ میں اس قسم کی کمیٹیاں مقرر کرتی ہے تا کہ وہ سب بھی آئینی اصلاحات کے متعلق ایک سکیم مرتب کر کے مرکزی کمیٹی کے پاس روانہ کریں۔

مسٹر محمد علی جناحؒ نے اس تجویز کی تحریک کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے بہت پریشان اور نالاں ہیں۔ ہندوؤں اور کانگریسوں کا رویہ مسلمانوں کے بالکل مخالفانہ ہے اور مشترکہ انتخابات سے قومیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ کینیڈا میں جداگانہ انتخابات سے ملکی نظام میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ میری یہ تمنا ہے کہ کانگرس اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر ہمیں بھی اپنا شریکِ کار بنائیں اور ہمارے ساتھ دوستانہ تعلق اور ربط پیدا کریں۔ آج جس تجویز کی میں نے تحریک کی ہے' اس کی نقل کانگرس کے سیکرٹری کے پاس بھیجی گئی ہے لیکن مسلم لیگ سخت مایوس ہوئی جب کانگریس نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ خیر جو کچھ گذر گیا وہ گذر گیا۔ ہمیں چاہئے کہ ماضی کو بالکل بھول جائیں اور اپنے مطالبات کے حصول کے لئے آپس میں متفق ہو کر ایک مشترکہ پالیسی کو عمل میں لائیں۔''

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اسی موقع پر یہ فرمایا کہ'' اگر ہندو ہماری تجاویز کے اصولوں کو تسلیم کر لیں تو دونوں فرقوں کی باہمی کشمکش فوراً دور ہو جائے چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ہے' اس لیے ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو راضی کر کے ان کے دلوں کو موہ لیں''۔[29]

باب چہارم

پاکستان
اقلیتوں کے تحفظ اور مسائل کا بہترین حل

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 8دسمبر 1940ء کو بمبئی میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کے دوران اعلان کیا کہ ''پاکستان ہند کی آزادی کا واحد راستہ ہے''۔

آپ نے مسٹر گاندھی/ کانگرس اور برطانوی حکومت کو مُتنبہ کیا کہ اگر وہ طاغوتی طاقتوں کے ہتھکنڈوں سے مجبور ہوگئے تو مسلمانوں کی حیثیت غلاموں جیسی رہ جائے گی......مگر مسلمان ایسی صورتِ حال ہرگز پیدا نہیں ہونے دینگے۔

آپ نے اس بات کی ضمانت دی کہ

''مسلمانوں کے زیرِ نگیں منطقوں میں اقلیتوں کو کسی طور سے بھی مجبور نہیں کیا جائے گا اور انہیں اپنی زبان، ثقافت اور مذہب پر کاربند رہنے کی آزادی ہوگی''۔[30]

اسلام مساوات، رواداری کا حامل اور انصاف پسند مذہب ہے۔ یہ اخوت، بھائی چارے اور مواخات کی تلقین کرتا ہے اور کسی کے حق کو غصب کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ قائداعظمؒ پاکستان میں یہی اصول نافذ کرنا چاہتے تھے۔اس بات کا اظہار انہوں نے متعدد بار کیا۔اپریل 1941ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ مدراس میں اپنے خطبۂ صدارت میں آپ نے فرمایا:-

''مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے وطن کے منطقوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی ہیں اور کیوں نہ ہوں ''اسلام'' کی روایات ہی ایسی ہیں۔اسلام یہی سکھاتا ہے اور اس نے اپنے پیروؤں کو ایسی ہی وراثت دی ہے۔''

''اقلیتیں جہاں بھی ہوں' ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا' میں نے ہمیشہ یقین کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان غلط نہیں۔ کوئی حکومت اور کوئی مملکت اپنی اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ کوئی حکومت ناانصافی اور جانب داری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اقلیت کے ساتھ ظلم وتشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی' امن ومساوات کا احساس پیدا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے''۔[31]

2 جون 1941ء کو ریاست میسور میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کے دوران قائداعظمؒ نے پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا:-

''وہ وقت دور نہیں جب ہر ہندی پاکستان کو قبول کرلے گا اور صراحتاً اعلان کیا کہ پاکستان ہی اقلیتوں کے مسائل کا بہترین حل ہے۔

میرا پختہ عقیدہ ہے کہ میں جس بات کی وکالت کررہا ہوں' وہ نہ صرف مسلمانوں کے مفاد میں ہے بلکہ دیگر فرقوں کے مفاد میں بھی ہے۔ ہند کبھی ایک قوم نہیں رہا اور یہاں کبھی بھی ایک قومی حکومت نہیں رہی۔ یہاں ہمیشہ مطلق العنان حکومت رہی۔ اس وقت برطانوی سنگین نے اسے یکجا کر رکھا ہے۔ جونہی یہ ہٹی' ہند ایک جغرافیائی وحدت کے طور پر برقرار نہیں رہیگا۔

جب تک ہندو' ہندو رہیں گے اور مسلمان' مسلمان رہیں گے' ہندو قوم جو اکثریت میں ہے اپنی مرضی' اپنے عقیدے' اپنی ثقافت اور اپنے معاشرتی نظام کے اظہار کے سوا اور کیا کرسکتی ہے۔ رضامندی یا نارضامندی کے ساتھ انہیں مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے گا جو مختلف قوم اور تہذیب ہیں''۔ ہر قوم اپنے فلسفہ' عقیدے اور تمدن کے مطابق زندگی بسر کرے ایسی تجویز کو ہند کی چیر پھاڑ کا نام دینے کا مطلب لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا ہے۔ یہ مسٹر گاندھی کا مذموم پراپیگنڈا تھا۔[32]

قائداعظمؒ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یونین سے خطاب کرتے ہوئے 2 نومبر

1941ءکوایک سابق وزیرداخلہ مسٹرمُنشی کی تقریر کاایک اقتباس پیش کیااور فرمایا:مسٹرمُنشی کے مطابق:-

''تجویزِ پاکستان کے تحت جوحکومت قائم ہوگی' وہ سول حکومت نہیں ہوگی جوتمام فرقوں پر مشتمل ایک مخلوط مجلسِ قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہو بلکہ ایک مذہبی ریاست ہوگی جس نے اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق حکمرانی کرنے کا عہد کررکھا ہوگا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمام لوگ جواس مذہب کے پیروکار نہیں ہونگے' ان کا اس حکومت میں بھی کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ایک کروڑ تیرہ لاکھ سکھ اور ہندومسلمانوں کی مذہبی ریاست کے زیر سایہ اقلیت بن جائیں گے۔ یہ ہندواور سکھ پنجاب میں عاجز ہوں گے۔اور ہند کے لیے غیر ملکی۔کیا یہ ہندوؤں اور سکھوں کو مشتعل نہیں کیا جارہا؟ان کو یہ بتانا کہ وہ ایک مذہبی ریاست ہوگی جس میں انہیں جملہ اختیارات سے تہی دست رکھا جائیگا کلیۃً غیر درست بات ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔

میں مسٹرمُنشی کو بتادینا چاہتا ہوں کہ صرف ان کے مذہب اور فلسفہ کی ہی اچھوتوں سے آشنائی ہے۔اسلام ان غیر مسلموں کے ساتھ جو ہماری حفاظت میں ہوں گے' عدل' مساوات' انصاف' رواداری بلکہ فیاضانہ سلوک کا قائل ہے۔ وہ ہمارے لیے بھائیوں کی طرح ہوں گے اور ریاست کے شہری ہوں گے۔[33]

آل انڈیا مسلم لیگ کے 30ویں سالانہ اجلاس میں جو دہلی میں 24اپریل 1943ءکوقائداعظمؒ کی صدارت میں منعقدہوا'اقلیتوں کے استفسار پرآپ نے اعلان کیا:-

''آپ کے ذہن میں پاکستان کا جوتصور ہے اس میں ہماری کیا صورت ہوگی؟ ہم نے ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں اقلیتوں کوقطعی اور واضح ضمانت ملنی چاہیۓ۔انہیں پوری پوری حفاظت اور تحفظ ملنا چاہیۓ۔جیسا کہ میں نے پہلے کہا کوئی مہذّب حکومت یہ

کرے گی اور اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہماری تاریخ اور ہمارے پیغمبر حضور اکرم ﷺ نے اس کا واضح ترین ثبوت پیش فرما دیا اور غیر مسلموں کے ساتھ نہ صرف عادلانہ اور منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک روا رکھا گیا"[34]۔

مسلمانانِ ہند اقلیت کی حیثیت سے

مسلمانانِ ہند کو اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ان میں یک جہتی اور یک جان ہونے کا جذبہ ابھارتے ہوئے اور انہیں "توحید" پر کار بند ہونے کی تلقین کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے 26 نومبر 1945ء کو مسلمانانِ پشاور کے ایک عظیم اجتماع میں فرمایا:-

"ہمارا مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو۔ یہ بات اب اتنی عام ہوچکی ہے کہ محتاجِ وضاحت نہیں رہی۔ یہ حقیقت تمہیں ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کا کوئی دوست نہیں ہے۔ نہ انگریز، نہ ہندو، اب ہمیں انگریز اور ہندو کی متحدہ طاقت سے لڑنا ہے۔ یہ بھی بنیا ہے، وہ بھی بنیا۔ اسلام ہمیں غیر اللہ سے ڈرنا نہیں سکھاتا۔ ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور انشاء اللہ کامیاب ہوں گے...... مسلمانو! میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں تم کو اچھوت بن کر رہنا ہوگا اور ہندوستان میں اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا...... میں تم سے بھی یہی اپیل کرتا ہوں کہ مسلم لیگ نے اگر ہندو کو بھی ووٹ دیئے تو اپنا ووٹ اسی کو دینا کیونکہ وہ ووٹ مسلم لیگ کے نام لکھا جائے گا۔ آپ اس کو اچھی طرح سمجھیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں......سب سے خراب مسلمان میں ہوں۔ میرا گناہ یہ ہے کہ میں نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے اور ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا ہے۔

ہم مسلمان کیا چاہتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں پر آزاد اور خود مختار ہوں اور صحیح اسلامی حکومت قائم ہو۔ ہم غیر مسلموں سے انصاف کریں گے بلکہ ہم ان سے دریا دلی سے پیش آئیں گے۔ تاریخ پڑھیے، ہمارے ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہم ہمیشہ غیر مسلموں سے کیا سلوک کرتے آئے

ہیں۔ ہمارے صوبوں میں جو غیر مسلمان رہیں گے، وہ بے حد خوش رہیں گے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہندو بھی آزاد ہوں اور مسلم بھی آزاد ہو جائیں۔ میں یہ کبھی نہیں کروں گا کہ لوگوں کو خواہ مخواہ مرواؤں اور پھر انکار کروں اور موقع آنے پر فائدہ حاصل کروں۔ یہ ڈھونگ ہے، چال ہے، سیاست نہیں۔ مسلمان عظیم الشان قوم ہے اور اس کا تجربہ کار جرنیل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب آگے بڑھیں تو شکست نہ ہو اور اگر شکست ہو تو عزت مندانہ ہو۔ ہم بے عزتی نہیں کروائیں گے۔ ہم قوم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتے''۔[35]

اسلام اخوت، مساوات، مواخات اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ انبیائے کرام، اولیائے عظام اور مصلحین اسلام کے انہی سنہری اصولوں کی ترویج و ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ قائداعظمؒ بھی پاکستان میں اسلامی تعلیمات نافذ کرنا چاہتے تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں آپ نے فرمایا:-

''شہنشاہِ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کیا، وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسول ﷺ نے کر دی تھی۔ انہوں نے زبان سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی حکمران رہے، ایسے ہی رہے۔ ان کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم المرتبت اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیے''۔[36]

قائداعظمؒ نے 13 جون 1948ء کو کوئٹہ میں پارسی فرقے کے سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے اعلان کیا:-

''مجھے یقین ہے کہ آپ سچے اور بے لوث پاکستانیوں کی حیثیت سے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ میری حکومت اور میری یہ حکمت عملی ہے کہ ہر برادری کے ہر فرد کی جان و مال اور عزت و آبرو کی بلا لحاظ ذات پات، رنگ، عقیدہ یا

نسل حفاظت کی جائے اور یہ کہ پاکستان میں ہر قیمت پر امن وامان برقرار رکھا جائے۔ دیگر اقلیتوں کی طرح آپ کے ساتھ برابر کے شہریوں کا سلوک روا رکھا جائے گا بشرطیکہ جب تک آپ پاکستان کے وفادار رہیں گے' آپ کو جملہ حقوق حاصل رہیں گے۔ اقلیتوں کو بھی صرف زبانی کلامی ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہئے کہ وہ صحیح معنوں میں وفادار ہیں''[37]۔

لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے 5' اگست 1944ء کو اقلیتوں کو یقین دلاتے ہوئے فرمایا:-

''جہاں تک پست اقوام اور دیگر اقلیتوں کا تعلق ہے' میں مسلم لیگ کی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ مکمل مفاہمت سے قبل ان کے جائز مطالبات کو پورا کرنا ہوگا۔ یہ مسلم لیگ کا بنیادی اصول ہے کہ اقلیتوں کا' خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں' خاطر خواہ تحفظ کیا جائے گا اور ان کی حفاظت کی جائے گی اور درحقیقت یہ بات مسلم لیگ کی 1940ء کی اس قرارداد میں موجود ہے جس میں پاکستان کے بنیادی اصول کے خدوخال بیان کئے گئے ہیں۔[38]

سیکرٹری شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے ساتھ مراسلت کے دوران قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 26 ستمبر 1945ء کو شیعہ اور دیگر اقلیتوں کے حقوق کے تحفظات کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:-

''ہم مسلمانوں کے ہر فرقے اور غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ عدل اور انصاف کے قائل ہیں۔ مسلم لیگ پہلے ہی عہد کر چکی ہے کہ جملہ مذاہب اور فرقوں کے لئے آزادی اس کا بنیادی اصول ہے۔ مسلم لیگ کبھی بھی مسلمانوں کے کسی فرقے یا غیر مسلموں اور اقلیتوں کے ایمان اور عقیدے میں مداخلت نہیں کرے گی۔ اس کے برعکس مسلم لیگ کے اہم اور بنیادی اصول' جن کا لاہور کی قرارداد مارچ 1940ء میں واضح الفاظ میں تذکرہ کیا گیا ہے' اقلیتوں کے مذہبی حقوق اور انکی آزادی کے لیے موثر تحفظات اور حفاظت فراہم کرتے ہیں۔ شیعوں کے فرقے کی اگر کوئی جائز شکایت ہے تو یہ ہمارا داخلی معاملہ ہے اور آل انڈیا

مسلم لیگ اسے ایک داخلی معاملے کے طور پر نمٹا سکتی ہے۔"[39]

سٹی مسلم لیگ علی گڑھ کے زیراہتمام جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے 13 مارچ 1944ء کو قائداعظمؒ نے اقلیتوں کو منصفانہ سلوک کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا:-

"پاکستان سی پی، یو پی، مدراس، بمبئی اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں کی کس طرح مدد کر سکتا ہے؟ ان صوبوں کے مسلمانوں کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ صرف تحفظات؟ یہ ایک بات ہے لیکن ان تحفظات کا کیا فائدہ جب تک کہ ان پر عملدرآمد کی ضمانت کسی بااختیار ادارے کی طرف سے نہ ملے۔ اگر اُنھوں نے ان صوبوں کے لئے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، محبوب منزل- پاکستان- حاصل کر لی تو اس کا مطلب ہوگا سات کروڑ بھائیوں کے لئے آزادی اور مسلم اقلیتی صوبوں کے تحفظات کا نفاذ اور یہ جملہ اقلیتوں کو منصفانہ اور عادلانہ سلوک کی ضمانت عطا کرے گا۔"[40]

آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، جالندھر کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے 15 نومبر 1942ء کو قائداعظمؒ نے پنجاب بالمیک اچھوت فیڈریشن لدھیانہ کے سپاس نامے کا یوں جواب دیا:-

"میں جہاں بھی ہوں، آپ کے فرقے کے مفادات کو ہرگز فراموش نہیں کروں گا۔ آپ میں سے جو لوگ ہمارے پاکستان میں رہتے ہوں گے، ان کے ساتھ انسانی مساوات کی بنیاد پر سلوک کیا جائے گا۔ نہ صرف مذہب اور حکومت کے بارے میں ہمارے تصور کے مطابق بلکہ اس لئے بھی کہ ہماری مذہبی تعلیمات کا یہ تقاضا ہے کہ ایک مسلم حکومت کے تحت ہر غیر مسلم اقلیت کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ سلوک کیا جائے۔"[41]

بلوچستان مسلم لیگ کانفرنس کوئٹہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے 3 جولائی 1943ء کو اقلیتوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں یقین دلایا:-

"اب میں بلوچستان کی اقلیتوں کے بارے میں چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ یہاں

سکھ ہیں، ہندو اور دیگر غیر مسلم اور عیسائی وغیرہ ہیں۔ جناب صدر، ہماری یہ عادت نہیں کہ ہم وہ بات کریں جو ہماری مراد نہ ہو یا مطلب ایک بات سے ہو اور کہیں دوسری سے۔ ہم نے اپنے موقف کی وضاحت کر دی ہے اب میں یہاں ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ ضروری ہو اور اگر یقین دہانی کی احتیاج ہو تو میں صدر آل انڈیا مسلم لیگ کی حیثیت سے اپنا موقف دہراتا ہوں۔ میں بلوچستان میں اقلیتوں سے کہتا ہوں کہ ہم دیکھیں گے کہ اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور عادلانہ سلوک کیا جائے۔ ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ اقلیتوں میں تحفظ اور اعتماد کا شعور پیدا ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی بھی مہذّب حکومت کا بنیادی فریضہ ہے۔ ہمارے پیچھے ارفع ترین روایات موجود ہیں اور اس امر کی شہادت مؤرخین نے دی ہے۔ مسلمان مؤرخوں نے نہیں بلکہ غیر مسلم مؤرخوں نے کہ عام طور سے جہاں کہیں بھی مسلم حکمرانی تھی، وہاں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور عادلانہ سلوک روا رکھا گیا۔ تازہ ترین مثال مصر کی ہے۔ مصر میں قبطی صرف 5 فیصد ہیں جب کہ مسلمانوں کی 94 فیصد کی غالب اکثریت ہے لیکن آپ وہاں جا کر دیکھ لیں کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے۔ مصری حکومت کے تحت ان کے پاس اعلیٰ ترین عہدہ موجود ہے اور ملازمتوں میں ان کا حصہ اب اور اس وقت تیس فی صد سے زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ تمام جھوٹا پروپیگنڈا جسے کانگرس کی طرف سے تخلیق کیا گیا، اس کا مقصد صرف اقلیتوں کو خوف زدہ کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریتی حکومت قائم ہو گئی تو اقلیتوں کا کیا ہو گا؟ اس طرح وہ ہر طرح کی دہشت کا تاثر دیتے ہیں۔ یہ کانگرس کے پروپیگنڈے کا ایک اور ڈھب ہے کہ وہ اقلیتوں کو کان سے پکڑ کر مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیں۔''[42]

قائداعظمؒ نے اسمٰعیل کالج بمبئی کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے یکم فروری 1943ء کو اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

''مسلم لیگ مذہبی حقوق کے لئے لڑ رہی ہے یا یہ ایک فرقہ وارانہ تنظیم ہے ان معنی میں جن معنی میں ہندو اسے سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کے مذہبی حقوق تو ان کی روح اور جسم پر مرتسم ہیں اور انہیں کوئی نہیں چھین سکتا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں لہٰذا ہماری اپنی ریاستیں ہونی چاہئیں۔ ہندوؤں کے لئے بہترین موقع ہے کہ ہندوستان کے تین چوتھائی علاقے کو اپنی آبادی سمیت تحویل میں لے لیں، اپنا وطن قائم کریں اور اپنی معاشرت کے مطابق بود و باش اختیار کریں نیز اپنی اقلیتوں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھیں جو ایک مہذب حکومت کر سکتی ہے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم یہ اعلان کرتے ہیں اور یہ ضمانت دیتے ہیں کہ نہ صرف ہم تمہاری اقلیتوں کے ساتھ اس طرح سلوک کریں گے جس طرح کا سلوک ایک مہذب حکومت کو کرنا چاہیے بلکہ اس سے بہتر کیونکہ "یہ قرآن کریم کا حکم ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔"[43]

روزنامہ ڈان میں ایک مضمون کے ضمن میں مسٹر گاندھی کی اپیل کے جواب میں نیو دہلی سے 11 مارچ 1942ء کو قائداعظمؒ نے فرمایا:-

"مسٹر گاندھی نے اپنے خطبہ میں زور دے کر کہا تھا کہ "وسیع المشربی ہندومت کا ورثہ ہے" بلاشبہ زبان اتنی نکھری ہوئی نہیں ہے جتنی مسٹر گاندھی لکھنے کی مہارت اور اہلیت رکھتے ہیں۔

خدا کی نظر میں دوسرے مذاہب سے متعلق سب لوگ مساوی ہیں لیکن کج نظر ہندو مذہب کی رو سے لوگ غیر مساوی پیدا ہوئے اور انہیں غیر مساوی حالت میں ہی زندہ رہنا ہے۔

وہ کہتے ہیں: پاکستان کے تحت ہندوؤں کا کیا حال ہوگا؟ کیا انہیں غیر مذہب ہونے کی وجہ سے کچل دیا جائے گا؟ گاندھی کو میرا جواب یہ ہے کہ "پاکستان میں ہندوؤں اور دیگر فرقوں کے لوگوں کے ساتھ جو مختلف عقیدے اور نظریات کے حامل ہوں گے، انسانی مساوات کی بنیاد پر سلوک کیا جائے گا۔ اسلام ہمیں اپنے ساتھی لوگوں کے ساتھ مساوات کے سلوک کا حق دیتا ہے۔ ہندوؤں اور دیگر فرقوں کے لوگوں کے ساتھ جو مختلف عقیدے اور نظریات کے

حامل ہوں گے' انسانی مساوات کی بنیاد پر سلوک کیا جائے گا۔ اسلام ہمیں اپنے ساتھی لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے۔ ہندوؤں اور دیگر فرقوں کے لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ یہ ہر ذمہ دار مسلمان کا موقف ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہی ہمیں سب سے بڑے مختار یعنی قرآن کریم اور رسول ﷺ کا حکم ہے۔'' [44]

پنجاب مسلم لیگ کانفرنس لائل پور کے اختتامی اجلاس سے اردو میں خطاب کرتے 19 نومبر 1942ء کو قائداعظمؒ نے فرمایا:-

''ہم اس ملک میں آبرومندانہ طریقے سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کسی ایسی حکومت کو ہرگز برداشت نہیں کرینگے جس میں ہمیں محکوموں کی حیثیت دے دی جائے۔

آپ نے مسیحی' اچھوتوں اور ادھرم انجمنوں کو یقین دلایا کہ ان کے اپنے اپنے مفادات کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

اعلیٰ ترین حاکم یعنی قرآن کریم کے احکام کے عین مطابق کہ اقلیت کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ سلوک روا رکھا جائے۔'' [45]

''چھوت چھات صرف ہندو مذہب اور فلسفے میں جائز ہے۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام انصاف' مساوات' معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آجائیں' اُن کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے''۔ [46]

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے خطاب 2 نومبر 1940ء)

''میرا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں راستی پر ہوں کہ کوئی حکومت کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی تا وقتیکہ وہ اقلیتوں کے دلوں میں احساسِ سلامتی و اعتماد پیدا نہ کرے۔ اگر حکومت کی پالیسی اور پروگرام اقلیتوں کے حق میں نا منصفی' بددیانتی اور ظلم پر مبنی ہوگا تو کامیابی نہ ہوگی۔ اس کا فیصلہ کن امتحان یہ ہے کہ نمائندگانِ عامہ کی حکومت کے ماتحت

اقلیتوں کو اس امر کا احساس ہو کہ ان سے ہمیشہ دیانت داری اور انصاف کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔ اقلیتوں کے معاملے میں ہم مسلمان دُنیا کی کسی مہذب حکومت سے پیچھے نہ ہوں گے اور جب وقت آئے گا تو ہمارے وطن کے حصوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی اور کیوں نہ ہو' اسلام کی روایات ہی ایسی ہیں۔ اسلام یہی سکھاتا ہے اور اُس نے اپنے پیروؤں کو ایسی ہی وراثت دی ہے"[47]۔

(اجلاس مسلم لیگ' مدراس' 14 اپریل 1941ء)

"اقلیتیں جہاں بھی ہوں' ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا۔ میں نے ہمیشہ یقین کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا یقین غلط نہیں۔ کوئی حکومت اور کوئی مملکت اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتی۔ کوئی حکومت ناانصافی اور جانب داری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اقلیتوں کے ساتھ ظلم وتشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں ہوسکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی' امن و مساوات کا احساس پیدا کرنا ہر انتخابی طرزِ حکومت کی بہترین آزمائش ہے۔ اس خصوص میں ہم دنیا کے کسی مہذب ملک سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے ملکی خطوں میں آباد اقلیتوں کو ہماری روایات' ثقافت اور اسلامی تعلیم سے نہ صرف انصاف وصداقت ملے گا بلکہ انہیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا۔ ہم مول تول نہیں کرتے' ہم لین دین اور سودا بازی کے عادی نہیں۔ ہم صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں۔ صرف تدّبر اور عملی سیاست پر اعتماد رکھتے ہیں"[48]۔

(اجلاس مسلم لیگ' مدراس' 14 اپریل 1941ء)

"اگر آپ ہمیں حیوان نہیں سمجھتے تو یاد رکھئے کہ مسلمان اپنی اقلیتوں کے ساتھ بہترین فیاضانہ سلوک روا رکھیں گے"[49]۔

(غیر ملکی اخباری نمائندوں سے ملاقات 14 نومبر 1946ء)

''ہم ہندوؤں کو کامل یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ اور برادرانہ سلوک کیا جائے گا۔اس کے ثبوت میں ہماری تاریخ شاہد ہے۔اسلامی تعلیمات نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔یادرکھئے کہ جوحکومتیں عوام کے اعتماد اور مرضی پر قائم نہ ہوں' وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتیں۔جمہوریت مسلمانوں کے رگ و ریشے میں ہے اور ہم نے ہمیشہ مساوات' اخوت اور استقلال کو پیش نظر رکھا ہے۔اسلام میں کوئی ایسا موقع محل نہیں ہے جہاں کوئی فرد واحد اپنی من مانی کارروائی کرسکے۔ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ ایک شخصی حکومت کے مقابلے میں ہمارے طرزِ حکومت میں زیادہ محفوظ رہیں گے''[50]۔

(میمن چیمبر آف کامرس'بمبئی'27 مارچ 1947ء)

''حکومت کا پہلا فریضہ امن وامان برقرار رکھنا ہے۔تاکہ مملکت کی جانب سے عوام کواُن کی زندگی' جائیداد اور مذہبی اعتقادات کے تحفظ کی پوری پوری ضمانت حاصل ہو''[51]۔

(دستور ساز اسمبلی سے خطاب'11 اگست 1947ء)

''اگر ہم اس عظیم مملکتِ پاکستان کو خوش اور خوش حال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں اور بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔اگر آپ لوگ باہمی تعاون سے کام کریں' ماضی کو بھول جائیں اور گذشتہ راصلوٰۃ پرعمل کریں تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔اگر آپ مل جل کر اس جذبے کے تحت کام کریں کہ ہر شخص خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو' ماضی میں آپ کے تعلقات ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی رہے ہوں' اس کا رنگ ونسل' مذہب کچھ ہی ہو' اوّل و آخر اسی مملکت کا شہری ہے۔اس کے حقوق' مراعات اور ذمہ داریاں مساوی و یکساں ہیں تو ہم بے حد ترقی کرجائیں گے۔ہمیں اس جذبہ کے تحت کام شروع کردینا چاہئے۔پھر رفتہ رفتہ اکثریت اور اقلیت کے مسلمان اور ہندو فرقے کے تمام اختلافات مٹ جائیں گے''[52]۔

(خطبۂ صدارت دستور ساز اسمبلی'11 اگست 1947ء)

"وقت کے ساتھ ساتھ یہ تمام اکثریت اور اقلیت کے جھگڑے ہندو فرقے اور مسلم فرقے کے یہ اختلافات ختم ہو جائیں گے کیونکہ خود مسلمانوں میں بھی فرقے ہیں۔ پٹھان' پنجابی' شیعہ' سنی وغیرہ اور ہندوؤں میں برہمن' ویش اور کھتری وغیرہ ہیں اور بنگالی مدراسی کے چکّر الگ۔ اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں گا کہ ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری کے حصول کی راہ میں یہ سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے اور اگر یہ نہ ہوتی تو ہم بہت عرصہ پہلے آزادی حاصل کر چکے ہوتے۔ کوئی قوم دوسری قوم کو خاص طور پر چالیس کروڑ روحوں کو محکوم نہیں بنا سکتی۔ کوئی طاقت آپ کو اتنے طویل عرصے تک غلام بنائے نہیں رکھ سکتی اور اگر رکھا تو محض اس رکاوٹ کی وجہ سے پس ہمیں ماضی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ آپ آزاد ہیں۔ آپ عبادت کے لئے مندروں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ اپنی مسجدوں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ مملکتِ پاکستان میں اپنے عقیدے کے مطابق' اپنی عبادت گاہ میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ خواہ کسی مذہب' فرقے یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں' امورِ مملکت کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ کچھ عرصہ قبل انگلستان میں حالات آج کے ہندوستان سے بدتر تھے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ اب بھی ایسے ممالک موجود ہیں جہاں رنگ یا نسل کے امتیازات قائم ہیں اور ایک مخصوص فرقے پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس زمانے میں آغاز نہیں کر رہے۔ ہم اس زمانے میں آغاز کر رہے ہیں جبکہ دو فرقوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھا جاتا جبکہ ایک فرقے کو دوسرے فرقے پر رنگ یا نسل کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاتی۔ ہم اس بنیادی اصول سے آغازِ کار کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں اور برابر کے شہری ہیں۔ انگلستان کے لوگوں کو بھی وقت کے ساتھ ساتھ اصل حقائق کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اپنی حکومت کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کو سرانجام دینا پڑا تھا۔ اس آگ کے دریا سے انہیں رفتہ رفتہ گذرنا پڑا تھا۔ آج آپ کہہ سکتے ہیں کہ انگلستان میں نہ رومن کیتھولک رہتے ہیں نہ پروٹسٹنٹ' وہاں جس چیز کا وجود ہے وہ

ہے شہری، وہاں ہر شخص شہری ہے۔ انگلستان کا ہر شہری، برابر کا شہری، پوری قوم کا ایک فرد۔

ہمیں بھی اس نصب العین کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ دیکھیں گے کہ نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان، مذہب کے معنوں میں نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقیدے کا مسئلہ ہے۔ جب کوئی مسلمان ہوگا اور کوئی ہندو، بلکہ سیاست کے معنوں میں، ہر شخص مملکت کا شہری ہوتا ہے"[53]۔

(پاک دستور یہ سے خطاب 11 اگست 1947ء)

"میں نے بارہا یہ واضح کیا ہے کہ پاکستان کی اقلیتوں کے افراد برابر کے شہری ہیں اور ان کو وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو کسی اور فرقے کو، پاکستان ہمیشہ اس پالیسی پر کاربند رہے گا اور اپنی غیر مسلم اقلیتوں میں سلامتی اور اعتماد کا احساس پیدا کرنے کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا ہے، ضرور کرے گا"[54]۔

(کراچی ستمبر 1947ء)

"اسلام کے اصولوں نے ہر مسلمان کو یہ سکھایا ہے کہ وہ بلا لحاظ رنگ و نسل اپنے پڑوسیوں اور اقلیتوں کی حفاظت کرے۔ ہندوستان میں مسلمان اقلیتوں کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا جا رہا ہے، اس کے باوجود ہمیں اقلیتوں کی جان و مال کے تحفظ اور ان میں احساسِ سلامتی پیدا کرنے کو اپنے وقار اور عزت کا مسئلہ بنالینا چاہئے۔ میں ہر اس مسلمان کو جسے پاکستان کی فلاح و بہبود اور ترقی دل و جان سے عزیز ہے، یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ انتقام سے گریز کرے اور صبر و تحمل سے کام لے۔ یاد رکھیے کہ انتقام اور قانون کی خلاف ورزیاں ہمیں کہیں کا نہ رکھیں گی اور بالآخر اس عمارت کی بنیادیں کمزور کر دیں گی جسے تعمیر کرنے کی حسرت برسوں سے آپ کے دل میں پل رہی تھی"[55]۔

(جلسۂ عام لاہور 30 اکتوبر 1947ء)

"شہنشاہ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کیا، وہ کوئی

نئی بات نہ تھی۔ اِس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسول ﷺ نے کر دی تھی۔ انہوں نے زبانِ مبارک ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمان جہاں کہیں بھی حکمران رہے، ایسے ہی رہے۔ ان کی تاریخ دیکھی جائے تو وہ ایسے ہی انسانیت نواز اور عظیم اصولوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہوگی جن کی ہم سب کو تقلید کرنی چاہیے"[56]۔

(لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کی جواب میں 14 اگست 1947ء)

"ہر قسم کی احتیاج کو پورا اور ہر طرح کے خوف کو دور کرنا ہی ہمارے مقصد میں ہونا چاہیے بلکہ وہ آزادی، اخوت، اور مساوات بھی حاصل کرنی چاہئے جس کی تعلیم ہمیں اسلام نے دی ہے"[57]۔

(کراچی کارپوریشن 25 اگست 1947ء)

"ہم اپنے ان اعلانات پر قائم ہیں کہ ہر فرقے کے لوگوں کو پاکستان کا شہری سمجھا جائے گا اور ان کے حقوق و مراعات اور ذمہ داریاں مساوی ہوں گی۔ اقلیتوں کی حفاظت کی جائے گی اور وہ امن میں رہیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پسماندہ اقوام کی خوشحالی کے لئے ہمارے دلوں میں خاص طور پر شفقت و خیر سگالی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ صدیوں سے زمانہ آپ کو کچلتا رہا ہے۔ اس لئے دوسرے فرقوں کے مقابلے میں آپ زیادہ مدد کے مستحق ہیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کے مفاد کی حمایت کی ہے اور آئندہ بھی ایسا کرتا رہوں گا"[58]۔

(پسماندہ اقوام کے وفد کو جواب، ڈھاکہ 28 مارچ 1948ء)

"میں اُن لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اُسی طرح قابلِ اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف

مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف' رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ پھر کسی کو ایسی جمہوریت' مساوات اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو جو انصاف' رواداری اور مساوی برتاؤ کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی ہو۔

اِن کو کہہ لینے دیجئے' ہم دستور پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک ''اعلیٰ آئینی نمونہ''[59]۔

(بار ایسوسی ایشن کراچی 25 جنوری 1948ء)

''اسلام محض رسوم و روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں۔ اسلام ہر مسلمان کے لئے ضابطۂ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی اپنے افعال و اعمال حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب انسانوں کے لئے انصاف' رواداری' شرافت' دیانت اور عزت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اسلام میں انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مساوات' آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں''[60]۔

(کراچی بار ایسوسی ایشن 25 جنوری 1948ء)

''اسلام اور اس کی عالی نظری نے جمہوریت سکھائی ہے۔ اسلام نے مساوات سکھائی ہے۔ ہر شخص سے انصاف اور رواداری کا حکم دیا ہے۔ کسی بھی شخص کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ عوام الناس کے لئے انصاف اور رواداری پر اور دیانت داری کے اعلیٰ معیار پر مبنی جمہوریت' مساوات اور آزادی سے گھبرائے''[61]۔

(کراچی بار ایسوسی ایشن۔ 25 جنوری 1948ء)

''پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی شکل و ہیئت کیا ہوگی لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ

جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل‘ ان اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اُسی طرح ہوسکتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ اسلام اور اس کے نظریات سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث اور امین ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معمار اور بانی کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں‘‘۔[62]

(امریکی نامہ نگار سے انٹرویو‘ فروری 1948ء)

’’میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اُس سنہری اصولوں والے ضابطۂ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔ اسلام کا سبق یہ ہے کہ مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے باہمی بحث و تمحیص اور مشوروں سے کیا کرو‘‘۔[63]

(سبّی دربار بلوچستان‘ 14 فروری 1948ء)

’’جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے تو نہ صرف بنی نوع انسان کی اخوت اور مساوات پر زبردست زور دیتے ہیں بلکہ آپ محض میرے اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور اسی طرح جب آپ ہر شخص کے لئے مساوی مواقع مانگتے ہیں تب بھی آپ میرے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ترقی کے ان مقاصد کے متعلق پاکستان میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کیونکہ ہم نے پاکستان اس لئے طلب کیا تھا‘ اس کی خاطر جدوجہد کی تھی اور اسے اس لئے حاصل کیا تھا کہ ہم اپنی روایات کے مطابق اپنے معاملات کو حل کرنے میں جسمانی اور روحانی طور پر قطعاً آزاد ہیں۔ اخوّت، مساوات اور رواداری یہ ہیں ہمارے مذہب‘ تہذیب اور تمدن

کے بنیادی نکات۔ہم نے پاکستان کے لئے اس لئے جنگ کی تھی کہ اس برصغیر میں ہمیں ان انسانی حقوق سے محروم کردیئے جانے کا خدشہ تھا۔ہم نے ان عظیم تصورات کے لئے اس لئے جدوجہد کی کہ صدیوں سے ہم غیر ملکی حکمرانوں اور ذات پات کے دقیانوسی معاشرتی نظام کے دوہرے تسلط میں تھے۔ یہ دوہرا تسلط مسلسل دوسو سال سے ہم پر طاری تھا۔ہمیں احساس ہوا کہ اگر یہ کچھ اور عرصہ باقی رہا تو ہم مسلمان انفرادی طور پر بہ حیثیت انسان اور اجتماعی طور پر بہ حیثیت قوم صفحۂ ہندوستان سے معدوم ہوجائیں گے۔اس لئے پاکستان اور اس کی جدوجہد کی کہانی عظیم انسانی خیالات وتصورات کو عملی جامہ پہنانے کی کہانی ہے"[64]۔

(جلسۂ عام چٹا گانگ 26 مارچ 1948ء)

"قدرتی بات یہ ہے کہ عوام کی سوچ قیامِ حکومت ہی پر اکتفا کرلیتی ہے مگر ہم جتنی جلد اپنے آپ کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیں گے اور جتنی تیزی سے ہمارا ذہن نئی ریاست کے غیر محدود امکانات کا احاطہ کرے گا' پاکستان کے لئے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ صرف اسی صورت میں ہم میں سے ہر ایک اخوت، مساوات اور معاشرتی انصاف کے عملی مظاہرے سے مستفید ہوگا' ان اقدار کو اپنانا انسانی ترقی کی معراج پر پہنچنے کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ ایک طرف قیامِ پاکستان کا جواز ہیں اور دوسری طرف ایک مثالی معاشرے کی تخلیق کی ذمہ دار ہیں۔ میں پورا زور دیتے ہوئے یہ بات دہراتا ہوں کہ ذات پات پر قائم دقیانوسی سماج سے انسانی روح کو جو خطرہ لاحق تھا' وہ قیامِ پاکستان کو ممکن بنانے کا موجب بنا۔آج جبکہ ہماری اجتماعی روح تمام زنجیروں کو توڑ چکی ہے ہمیں چاہئے کہ آگے بڑھیں اور نہ صرف اپنی ریاست بلکہ اپنی قوم کے ہر شعبے اور ہر پہلو کو صَیقل کردیں"[65]۔

(جلسۂ عام چٹا گانگ 26 مارچ 1948ء)

پاکستان میں پہلی عیدالفطر کے مبارک موقع پر قائداعظمؒ نے قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا:

''اس مبارک موقع پر ہمیں اپنے اُن بھائیوں اور بہنوں کو نہیں بھولنا چاہئے جنہوں نے اپنا سب کچھ محض اس لئے قربان کر دیا کہ پاکستان قائم ہو اور ہم لوگ اس میں آزادی سے زندگی بسر کر سکیں۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جو شہید ہو گئے' خدا اُن کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جو مظلوم ہوئے' اُن کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھے۔ اُن لوگوں کی یاد ہمارے دلوں سے کبھی محو نہ ہو گی جو شہید ہوئے اور جو مظلوم ہوئے۔ ہم پاکستانیوں کے لئے یہ عید خوشی اور مسرت کا موقع نہ بن سکی۔ ہمارے مسلمان بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں رہ گئے ہیں' ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم کبھی اُن کو نہ بھولیں گے اور نہ کبھی نظر انداز کریں گے' ہمارے دل اُن کے ساتھ ہیں۔ اُن کی مدد اور خوشحالی کے لئے ہم بڑی سے بڑی کوشش اور قربانی کو بھی ہیچ سمجھیں گے کیونکہ میری رائے میں یہ مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنہوں نے حصولِ پاکستان کے محبوب نصب العین کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور سبز پرچم برابر بلند رکھا۔ حصولِ پاکستان کے لئے اُن کی امداد کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا اور مجھے اُمید ہے کہ پاکستان کے مسلم اکثریتی صوبے بھی یہ حقیقت فراموش نہ کریں گے کہ مسلم اقلیتی صوبے حصولِ پاکستان کی تاریخی اور دلیرانہ تحریک میں ہراول دستے کی حیثیت رکھتے تھے۔[66]

17 ستمبر 1947ء کو قائداعظمؒ نے ملتِ اسلامیہ کے نام ایک پیغام میں ارشاد فرمایا:-

پاکستان یا ہندوستان میں رہنے والی مختلف عقیدہ کی اقلیتوں کے افراد کسی خاص عقیدے یا مذہب یا نسل کی وجہ سے شہرت سے محروم نہیں ہو جاتے۔ میں نے بار بار یہ واضح کیا ہے کہ پاکستان کی اقلیتوں کے افراد برابر کے شہری ہیں اور ان کو وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو کسی اور فرقے کو۔ پاکستان ہمیشہ اس پالیسی پر کاربند رہے گا اور اپنی غیر مسلم اقلیتوں میں سلامتی اور اعتماد کا احساس پیدا کرنے کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا ہے' ضرور کرے گا۔''[67]

17 اکتوبر 1947ء کو قائداعظمؒ نے ہندوستان میں مقیم مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

''ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اُس مملکت کے سچے وفادار رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کو اپنی ازسرِنو تنظیم کرنی چاہیئے اور صحیح قسم کی قیادت پیدا کرنی چاہیئے جو صحیح سمتوں میں اُن کی راہنمائی کر سکے۔ مجھے حکومتِ ہند سے بھی یہ توقع ہے کہ جو لوگ اپنے وحشیانہ اور غیر انسانی ہتھکنڈوں سے ہندوستان کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں، حکومت اُن سے مرعوب نہ ہوگی اور اپنے نام پر بٹہ نہ لگنے دے گی۔ اگر اقلیت کے مسئلے کا بالآخر حل وسیع پیمانے پر انتقالِ آبادی ہو تو اسے حکومت کی سطح پر طے کرنا چاہیئے نہ کہ اسے خون کے پیاسے غنڈوں کے رحم و کرم پر چھوڑا جائے۔''

''بھارتی مسلمانوں پر جو کچھ بیت رہی ہے، اُس کے پیشِ نظر ناممکن ہے کہ پاکستان ایک خاموش تماشائی بنا بیٹھا رہے۔''[68]

25 اکتوبر 1947ء کو رائٹر کے نمائندے ڈنکن ہوپر سے ملاقات کے دوران یہ واضح کیا:-

''میں ایک دفعہ پھر تمام مسلمانوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ان لاقانونی عناصر، ''ففتھ کالمسٹوں'' اور فسادات کے ذمہ دار غنڈہ گروہوں سے اپنے ہندو پڑوسیوں کو بچائیں اور تمام اقلیتوں میں اعتماد اور تحفظ کا احساس پیدا کریں۔ پاکستان پر غنڈہ گروہوں، ففتھ کالمسٹوں یا ہجوم کو حکومت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ پاکستان پر باضابطہ آئینی حکومت کی حکمرانی ہونی چاہیئے۔ حکومتِ پاکستان قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دے گی۔''[69]

3 فروری 1948ء کو پارسی فرقے نے قائداعظمؒ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا۔ قائداعظمؒ نے اُن کے سپاس نامہ کے جواب میں اپنی تقریر میں واضح طور

پر اعلان فرمایا:-

''پارسی وہ خوش نصیب فرقہ ہے جو حالیہ فسادات اور ہنگامۂ قتل و غارت کی دَست بُرد سے بچ گیا ہے حالانکہ دوسرے کئی فرقوں پر مصیبتیں نازل ہوئی ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ مستقبل میں اُن کے لئے کوئی خوف یا دہشت ہو۔ اُنہوں نے اپنی تنظیمی قابلیت، مستعدی اور محنت سے پہلے ہی اس ملک میں ایک مقام حاصل کیا ہے۔ اُن کی تجارتی ذہانت و فطانت کے اظہار کے لئے پاکستان ایک اچھا میدان ثابت ہوگا۔ خاص طور پر کاروبار، تجارت اور صنعت و حرفت میں انہیں آگے بڑھنا چاہئے اور پاکستان کو دنیا کی عظیم ترین اقوام میں شامل کرنے کے لئے اسے خوش حالی و فراوانی کی سرزمین بنانے کے لئے سچے شہریوں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔''[70]

پاکستان کے نامزد گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناحؒ نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں مملکتِ پاکستان کی اقلیتوں کو یقین دلایا ہے کہ پاکستان میں ان کے مذہب، عقیدے، جان و مال اور ثقافت کو تحفظ حاصل ہوگا۔ پاکستان میں اقلیتوں کے تحفظ کا یقین دلاتے ہوئے قائداعظمؒ نے 13 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں پریس کانفرنس کے دوران یہ واضح کیا:

سوال: کیا آپ گورنر جنرل کی حیثیت سے اقلیتوں کے مسئلہ کے بارے میں ایک مختصر سا بیان دے سکتے ہیں؟

جواب: اس وقت تو میں صرف نامزد گورنر جنرل ہوں (ایک لمحہ کے لئے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ 15 اگست 1947ء کو میں واقعی پاکستان کا گورنر جنرل ہوں گا) اس مفروضے کے بعد میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اقلیتوں کے بارے میں، میں نے جو بات بار بار کہی ہے، میں اس سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ ہر بار جب بھی میں نے اقلیتوں کے بارے میں گفتگو کی تو جو کچھ میرا مطلب تھا، وہی میں نے کہا اور جو کچھ میں نے کہا، وہی میرا مطلب تھا۔

اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے گا' ان کا تعلق خواہ کسی فرقے سے ہو۔ انہیں اپنے مذہب' عقیدے' اپنی جان اور اپنے تمدن کا تحفظ حاصل ہوگا۔ وہ بلا امتیازِ ذات پات اور عقیدہ' ہر اعتبار سے پاکستان کے شہری ہوں گے۔ ان کے حقوق ہوں گے اور انہیں مراعات حاصل ہوں گی اور اس کے ساتھ ساتھ بلاشبہ شہریت کے تقاضے بھی ہیں' لہٰذا اقلیتوں کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی۔ وہ اس مملکت کے کاروبار میں اپنا کردار بھی ادا کریں گی۔ جب تک کہ اقلیتیں مملکت کی وفادار رہیں اور صحیح معنوں میں ملک کی خیر خواہ رہیں اور جب تک مجھے کوئی اختیار حاصل ہے' انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: آپ نے کہا ہے کہ اگر پاکستان میں اقلیتیں وفادار رہیں تو ان کے ساتھ فیاضی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا' کیا ہم یہ سمجھیں کہ اس کا اطلاق ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے؟

جواب: اس کا اطلاق دنیا میں کسی بھی جگہ کسی بھی اقلیت پر ہوتا ہے۔ آپ کی ایسی اقلیت تو نہیں ہوسکتی جو غیر وفادار ہو اور مملکت کے لئے تباہ کن کردار ادا کر رہی ہو۔ ایسی اقلیت تو کسی بھی مملکت میں ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔ میں ہندوؤں' مسلمانوں اور ہر شہری کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی مملکت کا وفادار رہے۔

سوال: کیا آپ کی بھارت کے مسلمانوں میں وہ دلچسپی برقرار رہے گی جو آج ہے؟

جواب: میری بھارت میں دلچسپی برقرار رہے گی۔ وہاں کے ہر شہری اور بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ۔

سوال: آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ ہندو صوبوں میں مسلمانوں کے تحفظ کے لئے کیا اقدامات کریں گے؟

جواب: میں جو کچھ توقع کرسکتا ہوں' وہ یہ ہے کہ بھارت کے مسلمانوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا منصفانہ سلوک روا رکھا جائے گا جیسا کہ میں نے کہا کہ ہم غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کرنے

کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے حکمتِ عملی کا عام اصول بیان کر دیا ہے لیکن متعلقہ ریاستوں کی اقلیتوں کے تحفظ اور ان کی سلامتی کا اصل مسئلہ تو مجلسِ دستور ساز ہی نمٹائے گی۔

سوال: کیا ان پر بحث و تمحیص مجالسِ دستور ساز کے مشترکہ اجلاس میں ہو گی یا علیحدہ؟

جواب: میں پیش گوئی تو نہیں کر سکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فی الحقیقت اس کا تعلق ہر مجلسِ دستور ساز کے دائرہ کار سے ہے۔ اقلیتوں کے نمائندے دونوں مجالسِ دستور ساز میں موجود ہیں۔ وہ بھارت اور پاکستان کی مجالسِ دستور ساز سے معاملات طے کرنے میں مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔ میں تو صرف اس توقع کا اظہار کر سکتا ہوں کہ یہ اس انداز سے طے کئے جائیں گے جو اقلیتوں کو احساسِ تحفظ اور اعتماد دے سکیں۔ میں تفصیلات سے بحث نہیں کر سکتا۔

سوال: بعض کانگرسی لیڈروں نے اپنے حالیہ بیانات اور تقاریر میں یہاں تک کہا ہے کہ اگر پاکستان میں ہندوؤں کے ساتھ بُرا سلوک ہوا تو اس سے بدتر سلوک وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کریں گے‘ اس پر آپ کا تبصرہ؟

جواب: میں توقع کرتا ہوں کہ وہ اس جنون پر قابو پالیں گے اور میری تجویز کردہ راہ اختیار کریں گے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کہ آپ کچھ بیانات‘ ایک شخص کے‘ یہاں سے اٹھا لیں اور دوسرے شخص کے وہاں سے‘ آپ کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہر ملک میں بدمعاش‘ خبطی بلکہ میں کہوں گا کہ پاگل لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔

سوال: کیا آپ پسند کریں گے کہ اقلیتیں پاکستان میں رہیں یا آپ آبادی کا تبادلہ کرنا چاہیں گے؟

جواب: جہاں تک میں پاکستان کے بارے میں بات کر سکتا ہوں‘ میں کہتا ہوں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے لئے تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ فیصلہ انہیں خود کرنا ہوگا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں‘ وہ یہ ہے کہ کسی خدشہ کی کوئی وجہ نہیں۔ یہاں تک تو میں

پاکستان کے بارے میں بات کرسکتا ہوں۔اس کا انہیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں انہیں حکم تو نہیں دے سکتا[71]۔

قائداعظمؒ نے پارسی برادری کے سپاس نامہ کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے 3فروری 1948ءکوکراچی میں اُنہیں یقین دلایا:-

''میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اور مس فاطمہ جناحؒ کو خیر مقدمی سپاسنامہ پیش کیااور ہمارے بارے میں محبت بھرے الفاظ استعمال کئے۔آپ نے حکومت کے ساتھ جس وفاداری اور تعاون کی پیشکش کی ہے' میں اسے بے حد سراہتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومتِ پاکستان اپنے ان وعدوں کو وفا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو اس نے اپنے تمام شہریوں کے ساتھ بلا استثناء ذات پات اور عقیدہ مساوی سلوک کرنے کے ضمن میں بار بار کئے ہیں۔ پاکستان ایک ایسی قوم کی امنگوں کا مظہر ہے جو برصغیر ہند میں اقلیت کی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ اب وہ اپنی حد کے اندر آباد اقلیتوں سے بے پروا نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ گذشتہ ماہ کے اچانک ہنگاموں کی وجہ سے کراچی کی روشن پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا ہے۔ جو لوگ اس کے ذمہ دار تھے' ان کے اس فعل کی مذمت کے لئے مجھے اتنے سخت لفظ بھی نہیں ملتے جو مذمت کے لئے کافی ہوں۔حکومت تہیہ کرچکی ہے کہ وہ لاقانونیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی اور اس امر کا اہتمام کرے گی کہ اس نوعیت کے واقعات کا پھر اعادہ نہ ہونے پائے۔

جیسا کہ آپ کو علم ہوگا کہ حکومت اقلیتوں کے خوف اور شبہات کو دور کرنے کے لئے حقیقی کوششیں کررہی ہے۔اب بھی اگر سندھ سے ان کا انخلا جاری رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں ان کی طلب نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ سرحد کے اس پار ان لوگوں کی باتوں پر زیادہ کان دھر رہے ہیں جو انہیں یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں۔ مجھے ان گمراہ لوگوں پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ انہیں اپنی پُرکشش منزل پر پہنچ کر مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ

آ ئے گا۔

خوش قسمتی سے پارسی بحیثیت ایک فرقے کے باہمی تصادم کی ان تباہ کاریوں سے بچ گئے جن کی وجہ سے دیگر فرقوں کو بہت زیادہ مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور اب مجھے مستقبل میں ان کے خوف زدہ ہونے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اپنی تنظیمی صلاحیت' کاروباری اہلیت اور محنت کی بدولت ان لوگوں نے ملک میں پہلے ہی اپنا مقام پیدا کرلیا ہے۔ پاکستان ان لوگوں کو ذہانت کے اظہار کے بے شمار مواقع فراہم کرے گا خصوصاً کاروبار' تجارت اور صنعت کے شعبوں میں' انہیں چاہیے کہ وہ آگے بڑھیں اور سچے شہریوں کی حیثیت سے پاکستان کو عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے اور اسے خوشحالی کی سرزمین بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں[72]۔

آسٹریلیا کے عوام سے نشریاتی خطاب کے دوران قائداعظمؒ نے اسلامی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق اور اُن کے تحفظ کے حوالے سے 9 فروری 1948ء کو یہ واضح کیا:-

''ہماری عظیم اکثریت مسلمان ہے۔ہم رسول خدا محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ہم اسلامی ملت و برادری کے رکن ہیں جس میں حق' وقار اور خودداری کے تعلق سے سب برابر ہیں۔نتیجتاً ہم میں اتحاد کا ایک خصوصی اور گہرا شعور موجود ہے۔لیکن غلط نہ سمجھئے' پاکستان میں کوئی نظامِ پاپائیت رائج نہیں۔اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔اسلام ہم سے دیگر عقائد کو گوارا کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور ہم اپنے ساتھ ان لوگوں کے گہرے اشتراک کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں جو خود پاکستان کے سچے اور وفادار شہریوں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے لئے آمادہ اور رضامند ہوں۔

نہ صرف یہ کہ ہم میں سے بیشتر لوگ مسلمان ہیں' بلکہ ہماری اپنی تاریخ ہے' رسوم و روایات ہیں اور وہ تصوراتِ فکر ہیں' وہ نظریہ اور جبلّت ہے جس سے قومیّت کا شعور اُبھرتا ہے۔

ہند میں صدیوں سے ہمارا ایک مقام تھا۔ کسی وقت وہ مقام اعلیٰ وارفع تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مغلوں کا فرمان ساحل تا بہ ساحل جاری وساری تھا۔ ہم اس عہد کو صرف تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اب ہمارے پاس مقابلتاً کم علاقہ ہے جو بلحاظِ رقبہ انگلستان سے چار گنا ہے۔ یہ ہمارا ہے اور ہم اس پر قانع ہیں۔ ہم اپنے ہمسایوں کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم صلح وآشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم سکون کے ساتھ اور اپنے طریقے سے اپنے مستقبل کو سنوارنا چاہتے ہیں اور امورِ عالم میں اپنا جائز حق ادا کرنا چاہتے ہیں[73]۔

CHAPTER FIVE

TRIBUTES OF QUAID-I-AZAM: THE CHAMPION OF THE MINORITIES

QUAID-I-AZAM & MINORITIES
by
C.E. GIBBON, M.L.A. PUNJAB

TODAY, five years ago Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah the Father of the Nation, left us for his blestial abode.

It was in the year 1935 that I was introduced to Mr. Muhammad Ali Jinnah by the late Sir Henry Gidney the representative of the Anglo-Indian Community in the Indian Legislative Assembly. My first impressions were none too favorable. Mr. Jinnah struck me as being an over dressed gentleman, a moderate politician and a short sighted statesman. These impressions, however, underwent a change as I came to know and understand him better. I have a vivid recollection of a series of conversation which took place between him, Sir Henry Gidney, myself and others in Simla and New Delhi in 1934 and 1939.

The discussion centred round the division of India into two separate States-Hindusthan and

Pakistan. With the exception of Mr. Jinnah himself, none of us were convinced at the time of the possibilities of such a division but, as time went on and the Congress became more communal-minded we began to see that what was considered to be a dream may sooner or later become a reality.

Then came World War II during which period most of us kept aloof from active politics, but maintained our interest in current events. In 1945 when the difference between the Congress and the Muslim League became more acute, we roused ourselves from our political lethargy and began to take a keener interest in the political and economic issues involved. For a minority like ours, these issues were charged with grave consequences and it required the greatest amount of courage, thought and initiative to decide whether we should take sides or remain neutral. We followed, with keen interest, the Cripps proposals: the discussions with Lord Wavell and took an active part in the investigations made by the Cabinet Mission.

At that time the dice, as far as we were concerned, was loaded a favour of the Congress demand for an undivided India. The reasons for his being that, apart from the Lahore Resolution, which I considered to be vague and ambiguous, the Muslim League had not clarified its policy in respect of the treatment of minorities.

In 1946, I was elected a Member of the Indian

Constituent Assembly, which gave me an opportunity of styding the Congress attitude from close quarters. I then became convinced that the demand for Pakistan was genuine and that it would be in the best interests of the Anglo-Indian and Christian minorities who would eventually, have to live in Pakistan, to consider the situation from a more practical point of view.

In April 1947, the late Diwan Bahadur S.P. Singha and I held lengthy conversations with Mr. Jinnah and it was decided that he would make a public announcement in respect of the treatment of the minorities in Pakistan. This he did on May 21, 1947, to Reuter's correspondent, Mr. Doon Campbell, in the form of questions and answers which may well be reproduced below:-

"Q. What are your views in regard to the protection of minorities in Pakistan territories?

"A. There is only one answer. The minorities must be protected and safeguarded. The minorities in Pakistan will be citizens of Pakistan and will enjoy all the rights, privileges and obligations of citizenship without any distinction of caste, creed or sect.

"They will be treated justly and fairly. The Government will run the Administration and control the legislative measures by its Parliament. The collective conscience of Parliament itself will be a guarantee that the minorities need not have any

apprehensions of any injustice being done to them.

"Over and above that, there will be provisions for the protection and safeguard of the minorities which in my opinion, must be embodied in the Constitution itself. This will leave no doubt as to the fundamental rights of the citizens, protection of religion and faith of every section, freedom of thought and expression, and protection of their cultural and social life."

Following this, late Diwan Bahadur S.P. Singha and I gave the Quaid-i-Azam an assurance that we would publicly stand for Pakistan and in the same month I resigned my seat in the Indian Constituent Assembly.

Both of us gave evidence before the Boundary Commission and also cast our votes in the Punjab Legislative Assembly in favour of Pakistan. Thereafter, we felt confident that the minorities, particularly the Christian minority, would receive fair, just and generous treatment and as long as the Quaid-i-Azam lived, we had nothing whatsoever to complain. Shortly after his death, the attitude of the Muslim League towards the Christian minority began to change, resulting in the mass ejectment of Christians from their homes and off the lands which they had been cultivating for generations. This process of economic strangulation of the Christian minority continues unabated and accounts for my opposition to the Muslim League,

as it exists to - day.

Numerous representations to the Governor-General, the Prime Minister, the Governors and Chief Ministers of provinces have received little or no response and the Christian community, which looked to the Quaid-i-Azam for the implementation of the assurances given by him, is to-day disillusioned and dis-contented.

If only we could succeed in convincing the leaders of the Muslims League that the future of Pakistan is linked with the future of its minorities how much happier and contented all of us would be. But, from what I observe, we have to contend with a house divided against itself. The Muslim League of to-day is completely barren of leadership. It has no policy. It has no programme other than that to create dissension and dis-cord. Its future is as uncertain as the elements and but for the determination of the people of Pakistan to maintain their Independence, I shudder to think what the future has in store for us.

Let us, therefore, on this memorable day make an honest attempt to mend our ways and to follow at the footsteps of the great Quaid-i-Azam. Let us give practical shape to his motto of Unity, Faith and Discipline and above all, let the minorities feel that they are not strangers in their native land. If all this can be achieved by a re-orientation of the party of the Muslims League, the future of Pakistan is assured.[74]

QUAID-I-AZAM: MINORITIES CHAMPION

by

JOGENDRA NATH MANDAL,

Minister for Law and Labour

The cruel hands of destiny had taken away the Quaid-i-Azam at a time when his presence was most necessary.

Great men are born with some mission. As soon as that mission is fulfilled they are taken away from us. The Quaid-i-Azam was born with the mission of achieving Pakistan and free millions of the downtrodden and poor people of the Indo - Pakistan sub-continent. Not only the Muslims, but other minorities of India looked upon the Quaid-i-Azam as their Champion.

I don't intend to make any concealment of my feelings that after his death the minorities to-day feel more helpless than the Muslims of Pakistan. In his death the State lost its architect and founder, the nation lost its Father and the people at large lost their guide but the minorities lost their best friend, and protector, and well-wisher.

Many responsible members of the minority communities on many occasions have expressed their helplessness to me because of the absence of the Quaid-i-Azam. They have candidly confessed

and tried to impress upon me that their condition and lot would have been much better had the Quaid-i-Azam been living at this time.

I subscribe to their views, today as always. I as the representative of the minorities, invoke the soul of the Quaid-i-Azam to lead me on the right path. I pray to his soul because in him I found the greatest champion of the cause of the minorities.

The minorities had great confidence in him. They knew that in Pakistan which was achieved by the Quaid-i-Azam they would never have any unfair deal, and their interest would be safeguarded.

Those, who following in the footsteps of the Quaid-i-Azam, are ruling the country today, cannot forget the message of the Quaid-i-Azam and his example.

At this solemn occasion I would like to remind them that ours is a great responsibility. The Quaid-i-Azam has left a legacy. He achieved Pakistan to make it prosperous, happy and great. We must pledge and dedicate ourselves to the cause for which the Quaid-i-Azam lived and died. So long as we will be guided by the ideals and the message left behind by the Quaid-i-Azam, we need not be disheartened, and we need not be afraid of any thing, either external or internal. Placing our faith in God, We must march forward, no matter what difficulties come in our way.

QUAID-I-AZAM HAS ENSHRINED HIMSELF IN OUR HEARTS, AND IN THE PAGES OF HISTORY

by

LALA KOTU RAM,

M.L.A. (N.W.F.P).

The stability, strength and prestige that we have gained, the peace that we have secured, the material progress that we have made, and the new vistas of plenty that are opening before us, are all due to the inspiring spirits of the late Quaid-i-Azam. Let the same spirits continue to inspire us, and let us adjure all selfishness and internal wrangles for power, and work together as a team to ensure fulfillment of the dream of the Baba-i-Millat."

It is a matter for thanks giving the Quaid-i-Azam's mantle has not fallen on unworthy shoulders. Despite the stroms, the worthy successors now in charge of the Pakistan ship have steered it clear of all rocks to her haven, with all her majestie and triumphant look.

Quaid-i-Azam's miracle of Pakistan continues to work through its magic formula of faith, unity and discipline." Islam is its central, cementing and inspiring link."

Quaid-i-Azam has enshrined himself in our hearts, and in the pages of history, as one with a

frail body but with a resolute mind that makes and unmakes things that makes and unmakes history, and sways the minds of mankind.[76]

THE MEMORY OF THE "QUAID" IS SACRED

by

DEWAN BAHADUR

S.P.Singha

"The memory of the Quaid-i-Azam is sacred not only to the Muslims of Pakistan, but equally to non-Muslims. The reference be made to the minorities in connection with the citizenship of Pakistan at the inaugural ceremony on the 14th August, 1947, constitutes their "Magna Carta."[77]

IF THE "QUAID" HAD LIVED MORE.....!

by

Mr. Dinshah

B. Challa

While presiding over a general meeting of the Lahore Pasri Amjan, which was arranged to commemorate the first death anniversary of the Quaid-i-Azam, Mr. Challa laid special emphasis on the great leader's solicitude for the welfare of minorities, specially the Parsi community. He deplored the sad demise of the Quaid-i-Azam so soon after the foundation of the State had been laid and observed that if Providence had spared him just

for a period of five years more, it would have been a great thing for the further progress and prosperity of Pakistan especially for minorities.[78]

"IN PAKISTAN, YOU WILL BE AT LIBERTY."

by

MR. C.E. GIBBONS.

From almost nothing, the Quaid-i-Azam, with improvable patience and indomitable courage, carved out a homeland for his people. It was my privilege to discuss with him the future of the minorities in Pakistan; and to hear fall from his lips those memorable words, "in Pakistan you will be all liberty to pursue your own way of life and enjoy a freedom greater than that ever known."

Death, however, removed him from the field of his labour, but his spirit remain to guide the nation through toil and sorrow to the promised land of the peace and plenty.[79]

THE QUAID-I-AZAM HAD MADE A PROMISE

by

CATHOLIC LORD BISHOP OF LAHORE.

"To us, members of the Christian and Anglo-Indian minorities, the Quaid-i-Azam had made a promise. We asked him for no privileged

treatment. We were prepared, as we are now, to share the common burdens and hardships of the country, as well as its glory and joy, for we are well grounded in the spirit of sacrifice for home and country. All that we did ask was decent living a free men of a nation freedom of conscience and religion, and the means to educate our children in the faith of their fathers. That is what the beloved Quaid-i-Azam promised us and promise none shall ever deprive us of, so long as we fulfill our duty of loyalty and devotion to Pakistan and its people, because that promise has now become sacred. It is sealed in the death of the Quaid-i-Azam, and is part and parcel of his legacy, which is the State of Pakistan itself.[80]"

Tributes of Quaid-i-Azam

By

Dr. Sir C.R. Reddy: (a prominent non-Brahmin leader of South India)

He is the pride of India and not the private possession of the Muslims.

A straight thinker, straight fighter and strong hitter, he is anything but a subtlety shop and in fact suspicious of subtle politicians whose texts read one way and whose oft-repeated commentaries in other and different ways according to exigencies. In dignity, racial and personal, he is an example and

standard-bearer. He abhors the oily pose of mock modesty and ultra-humility, and the rebound perhaps takes him to the other extreme, which, in any case, is the lesser and less widespread infirmity of Indians. In his autobiography Mr. Jawaharlal Nehru praises the manly bearing and profound political instinct of the Muslims. If the illustration of this were needed I would say, "Look at Jinnah."

The spiritual drive of the political missionary is his, for he wants nothing for himself and everything for his country on an equitable basis of distribution as between its component elements. True he does not prate of self-sacrifice nauseatingly-but then to the courageous and noble it is all self-realization and self-fulfilment and no conscious sacrifice.

The great root good he has done to India is saving our politics from being clouded over, confused and confounded by metaphysics and moonshine. By his firm common-sense stand he has saved the country from a fearful relapse into primitivism in its education, life and outlook of which it ran some risk. Truly he has been the savior of Indian progress and modernism. If in the conflict between the Ascetic-Primitive and Scientific Modern, India had been left with a chance of achieving a fuller and more powerful civilization in place of a bloodless, if perhaps less blissful, charkha-isation the credit and glory of it go in the main to Jinnah.[81]

Tributes of Quaid-i-Azam
By
Mr. M.C. Rajah (leader of the Scheduled Castes)

All religions, hold the belief that God sends suitable men into the world to work out His plan from time to time, and at critical junctures. I regard Mr. Jinnah as the man who has been called upon to correct the wrong ways into which the people of India have been led by the Congress under the leadership of Mr. Gandhi. The Congress did a great service to the country so long as it followed the lines of critical co-operation and co-operative criticism towards the British Government, as laid down by Dadabhai Naoroji and Gokhale. But it took a wrong turn when it adopted wholesale the non-co-operation programme of Mr. Gandhi and assumed an attitude of open hostility towards Britian, and tried to infuse in the minds of the people a spirit of defiance of law and civil disobedience, more or less thinly veiled under a formula of truth and non-violence. Moreover, by Mahatmafying Mr. Gandhi it appealed to the idolatrous superstitions of the Hindus, thus converting the religious adherence of the Hindu section of the population to the Mahatma into political support of his non-co-operation programme. While this strategy

was of some avail in hustling the British Government to yield more and more to the demands of the Congress, it divided the people into Hindu and non-Hindu sections.

In these circumstances a man was needed to stand up to Congress and tell its leaders that their organization, however powerful numerically and financially, does not represent the whole of India.

I admire Mr. Jinnah and feel greatful to him because, in advocating the cause of the Muslims, he is championing the claims of all classes who stand the danger of being crushed under the steam-roller of a Hindu majority, acting under the inspiration and order of Mr. Gandhi.[82]

Tributes to Quaid-i-Azam

BY

Sir Homi Mody: (a leader of the parsi Community)

He is fearless and straightforward, seeks no popularity and is singularly free from political intrigue. He is a lone figure; very few really know him or have penetrated the armour of his aloofness. An arresting personality, one may like or condemn, but cannot ignore him; his contribution to the political life of India has been outstanding.[83]

Tributes to Quaid-i-Azam

By

Sir Cowasji Jehangir (a Parsi leader and member of the Indian Legislative Assembly)

If there is one characteristic more than another which distinguishes him in public life it is his sturdy independence. Nothing will sidetrack him from what he considers is the path of Duty, Truth, Righteousness, and Equity. No amount of opposition, no threats and no danger will daunt him in his determination. He is a man full of courage and tenacity. Few have been in public life for so long in India to-day as he has been, and I venture to suggest that no one can accuse him of ever having been a time-server or an opportunist. He has never put self or his own interest before those of his country. Such men are rarely found in public life. He stands to-day not only as the acknowledged leader of the millions of his community but also as one of the foremost men in the public life[84] of India.

باب ششم

بھارتی مسلمان: زندگی اور موت کے سائے میں

بھارتی نام نہاد سیکولرازم اور مسلمان

جناب واجد علی واجد ایک کہنہ مشق صحافی ہی نہیں بلکہ بھارت کے ''نام نہاد سیکولرازم'' پران کی گہری نظر ہے اوراس موضوع پر وہ اکثر اظہارِ خیال کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے قیام سے لیکر آج تک کے حالات و واقعات کا اُنہوں نے جائزہ پیش کیا ہے بلکہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے:-

مثل مشہور ہے کہ سچ کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اور جب یہ بولتا ہے تو اس کے نطق و بیان سے جھوٹ' منافقت اور کذب و افترا پردازی کے ایوان لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ آج کا بھارت اسی صورتحال سے دوچار ہے جس کا اکابرین نے گذشتہ سو برسوں سے پرچار شروع کر رکھا تھا۔ اس پرچار کی بنیاد چونکہ جھوٹ اور انسانوں کی دھوکہ دہی پر تھی لہٰذا انڈین یونین اس جھوٹ کے منطقی انجام سے کبھی بھاگ نہیں سکے گا۔ تاریخ نے ہندو سیکولرازم سے بڑا فراڈ شاید ہی کبھی دیکھا ہو کیونکہ یہ ایسا سیکولرازم ہے جو صرف ہندومت کا پرچار کرتا ہے اور ہندوتا کے خواب دیکھتا ہے۔ اس کے مطابق ہندوستان میں بسنے والے صرف ہندو ہیں مذہب چاہے ان کا کچھ بھی ہو۔ انڈین یونین کی تشکیل میں سیکولرازم نے سیمنٹ اور لوہے کا کردار ادا کیا مگر مبصرین کے مطابق اس کا سیمنٹ والا حصہ بوسیدہ اور لوہے والا حصہ زنگ آلود ہو چکا ہے۔ اب نہ صرف اندرون بھارت کے چہرے سے نقاب ہٹ چکا ہے بلکہ غیر جانبدار مہذب دنیا پر بھی اس کی حقیقت آشکار ہو چکی ہے۔ انڈین یونین کی تشکیل کے وقت اس کے رہنماؤں نے غریب ہندوؤں اور مسلمان' سکھ' عیسائی اقلیتوں سمیت سب کو جس طرح سبز باغ دکھا کر سیکولرازم کے چھاتے تلے اکٹھا کیا تھا' اب وہ چھاتا ٹوٹ چکا ہے'

تمام اقلیتیں کرۂ ارض کی غیر محفوظ ترین آبادیاں ہیں اور ان کے شب و روز انتہا پسند ہندو دہشت گردوں کے رحم و کرم پر ہیں ان کی انسانی آزادیوں اور بھارتی آئین کے تحت ملنے والے حقوق کو بھی سیکولرازم کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ انڈین یونین کی تشکیل کے 59 برس گزرنے کے باوجود اس ملک کے سیاہ و سفید کی مالک برہمن اقلیت آج بھی نچلی ذات کی ہندو اکثریت کے علاوہ ملک کی کسی بھی دوسری اقلیت کو حب الوطنی کا سٹرٹیفکیٹ نہ دے تو اس کے پیروکاروں کے لئے زندگی جہنم بنا دی جاتی ہے۔ سیکولرازم کے نام نہاد پرچارک ملک میں اقلیتوں کو قدم قدم پر اپنی حب الوطنی ثابت کرنا پڑتی ہے۔ بالخصوص مسلمانوں پر بلا وجہ بہت زیادہ شک کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کشمیر کے مسلمانوں کے علاوہ انڈین یونین کے تمام حصوں کے مسلمان برسر عام یہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے ہندو اور بعد میں مسلمان ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اس دعوے کو نام نہاد سیکولر برہمن تسلیم ہی نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے مسلمان اداکار، شاعر یا مصنف جن کا خاندانی پس منظر مشکوک ہوتا ہے اور جو 90 فیصد ہندوانہ رسموں پر عمل کرتے ہیں بلکہ گھر میں دکھاوے کے لئے ہی جائے نماز کے ساتھ کرشن کی مورتیاں بھی سجا کر رکھتے ہیں اور باقاعدگی سے ہر صبح کرشن کی مورتی کی پوجا بھی کرتے ہیں، اس کے باوجود انہیں ہر وقت ہندو انتہا پسندوں سے خطرہ رہتا ہے۔ فلمی اداکار سلمان خان کی زندگی اور خاندان کے بارے میں برصغیر کے لوگ بہت کچھ جانتے ہیں ان کی والدہ ہیلن کتنی بڑی اداکارہ تھی اور سلمان کی شراب نوشی کی لت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں مگر اس کا نام چونکہ ''سلمان'' ہے لہٰذا اسے ایک فلم میں ''رام'' کا کردار ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا اور انتہا پسند ہندوؤں کی دھمکیوں کے بعد فلمساز نے سلمان خان کو کاسٹ سے علیحدہ کر دیا تھا۔ یہ تو ان کا مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہے جو عادات و اطوار اور سیرت و کردار میں ہندو ہی دکھائی دیتے ہیں مگر نام چونکہ ان کا مسلمان والا ہوتا ہے اس لئے انہیں

بھی تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ہم نے جتنا عرصہ بیرون پاکستان قیام کیا اور صحافت کے شعبے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے لاتعداد بھارتی مسلمانوں کو ملنے اور ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع بھی ملا، ہم نے ان کی اکثریت کو پاکستان مخالف پایا اور جن چند ایک نے ہمارے ملک کے ساتھ کبھی کسی ہمدردی کا اظہار بھی کیا تو ادھر ادھر دیکھ کر مبادا وہ پاکستان دوستی کے جرم میں کہیں پکڑے نہ جائیں۔ وہ بیرونِ ملک بھی ہندو اکثریت کے خوف کا شکار رہتے ہیں، پاکستانی مسلمانوں سے ملتے ضرور ہیں مگر ایک فاصلے سے۔ جو متمول اور تاجر ہیں، وہ کبھی کسی مسلمان کو ملازم رکھنے کا رسک نہیں لے سکتے حالانکہ ہم خلیج میں عطریات کے بڑے تاجر جشن کل کو جانتے ہیں، ان کی کمپنی میں ایک دو پاکستانی ملازم ہیں لیکن کوئی ایسا مسلمان تاجر نہیں دیکھا جو کسی پاکستانی مسلمان کو ملازمت دے۔ مطلب یہ ہے کہ انڈین یونین کے مسلمان دوطرفہ عذاب میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو وہ کھل کر اپنے دینی بھائیوں کے کسی دکھ درد میں بھی شریک نہیں ہو سکتے اور دوسری طرف انہیں ہر وقت ہندو غنڈہ گردی کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

اگرچہ اب اقوامِ عالم پر بھی ہندو سیکولرازم کی حقیقت کھل چکی ہے، اس کے باوجود بھارتی قیادت رائے عامہ کو اس حوالے سے گمراہ کرنے کے اقدامات کرتی رہتی ہے مثلاً بھارتی فضائیہ کا سربراہ عیسائی، بھارتی وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف سکھ، ڈپٹی چیف مسلمان اور صدر بھی مسلمان، یہ سب ایسے اقدامات ہیں جن کے ذریعے عالمی برادری کی آنکھوں میں سیکولرازم کی دھول جھونکی جاتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اقلیتوں سے لاتعلق رہنے والے ان بڑے بڑے عہدیداروں کے پس پشت برہمن مافیا کام کر رہا ہوتا ہے۔ یہ لوگ محض بھارت ماتا کا بھرم رکھنے کی ڈیوٹی کرتے ہیں۔ سچائی وہی ہے جو آؤٹ لک میگزین نے بیان کی ہے کہ اگر مسلمان کو ڈپٹی چیف کے عہدے پر بھرتی کیا جا سکتا ہے تو ''را'' میں کسی معمولی عہدے پر بھرتی کیوں نہیں کیا جا سکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ''را''

والے ڈپٹی چیف کی حرکات وسکنات کو بھی تو ہر سطح پر مانیٹر کرتے ہیں۔ یہی حالت سکھوں کی بھی ہے جنہیں فوج کی ضرورت پوری کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے مگر ہندو برہمن سکھ اقلیت پر کسی بھی طرح بھروسہ کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود وزیرِ اعظم سمیت کسی بھی اعلیٰ حکومتی عہدیدار کے محافظوں میں سکھ اور مسلمان دونوں اقلیتوں کے افراد شامل نہیں ہوتے۔ انڈین یونین کی تمام اقلیتوں کے کردار اور حب الوطنی پر شک کرنا برہمن کی سرشت میں شامل ہے اور اقلیتوں سے نفرت، تعصب اور ان کے خلاف نسلی، لسانی مذہبی اور سماجی حوالے سے امتیازی سلوک روا رکھنے ہی کو سیکولر ازم کی روح سمجھنا چاہیے کیونکہ بھارتی قیادت کے رویے اور حکومتی اقدامات میں عملی اظہار اسی بات کا ہو رہا ہے۔[85]

کیا مسلمانانِ ہند ایک دہشت گرد قوم ہیں؟

جناب ظفر آغا ایک دردمند اور محبّ وطن شہری ہیں اور ان کا دل جتنا وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باسیوں کے لئے دھڑکتا ہے' اسی قدر آپ مسلمانانِ ہند کے لیے ''نرم گوشہ'' رکھتے ہیں اور ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں آپ نے اپنے دلی جذبات کی عکاسی کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے دل کی آواز ہے۔

وہ راز جسے جاننے کے باوجود لوگوں کے ہونٹ سلے ہوئے تھے' آخر سپریم کورٹ نے اسے فاش کر دیا۔ جی ہاں! ایک عرصہ سے بھارت میں مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر پندرہ کروڑ مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ پولیس کا جب جی چاہتا' کسی مسلمان کو مذہبی جماعتوں سے نتھی کر کے بڑے بہیمانہ انداز میں قتل کر دیتی۔ تب ہی تو پچھلے ہفتے کورٹ کے حکم پر تین اعلیٰ پولیس عہدیداروں کو گجرات میں ایک بے قصور مسلم نوجوان سہراب الدین شیخ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جن تین اعلیٰ پولیس افسروں کو سپریم کورٹ نے گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے' وہ ہیں ڈی جی ونزارا (گجرات بارڈر رینج کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل) آر کے پانڈین (آئی بی پی سپرنٹنڈنٹ) اور ایم این وینش کمار

(راجستھان ڈی ایس پی)۔ یہ تینوں حضرات سینئر آئی پی ایس افسران ہیں۔ان پر الزام ہے کہ انہوں نے گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کے ایماء پر سہراب الدین شیخ نامی ایک بے قصور مسلم نوجوان کو احمد آباد میں نومبر 2005ء میں ایک بس سے اتار کر اور شہر سے باہر لے جا کر گولی مار دی۔ بعد ازاں ان تینوں افسروں نے سہراب الدین پر یہ الزام لگایا کہ وہ ایک جہادی تنظیم کا ایجنٹ تھا اور احمد آباد میں نریندر مودی کو مارنے آیا تھا۔کمال یہ ہے کہ سہراب الدین کے ساتھ اس وقت اس کی اہلیہ بھی تھی جو اس وقت سے آج تک لا پتہ ہے' جس کا اب کچھ کچھ سراغ مل رہا ہے۔

سہراب الدین کے بھائی بہن اس سلسلے میں عرصۂ دراز سے عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے اور ہر کسی کو یہ بتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ سہراب کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کے باوجود نریندر مودی کے گجرات میں سہراب کے خاندان والوں کو انصاف نہ مل سکا۔نریندر مودی نے تو پوری مسلم آبادی کو 2002ء کے اسمبلی انتخابات کے موقع پر دہشت گرد قرار دے دیا تھا۔جس ریاست میں پوری مسلم آبادی دہشت گرد قرار دے دی جائے' بھلا وہاں سہراب الدین جیسے بے قصور کے انکاؤنٹر پر کسی کے کان پر جوں کیسے رینگتی۔ یہ تو سپریم کورٹ کی مہربانی ہے کہ اس نے گجرات کے ہر معاملے میں دخل دے کر انصاف کرنے کی کوشش کی اور ایک بار پھر سپریم کورٹ نے سہراب الدین کے معاملے میں تین اعلیٰ پولیس افسران کی گرفتاری کا حکم دے کر دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کو نشانہ بنانے کی سازش کو بے نقاب کر دیا ہے۔

1993ء کے بمبئی بم دھماکوں کے بعد سے بھارت کا نظام اور ملک کی سیکورٹی ایجنسیاں مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے ساتھ ہر قسم کے ظلم وزیادتی کو جائز قرار دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد بمبئی میں بم دھماکے ہوئے' جن میں سینکڑوں افراد مارے گئے۔ الزام عائد کیا گیا کہ یہ جن لوگوں کا کام ہے'

انہیں پاکستان کی ایجنسیوں کی مدد حاصل تھی۔ ایسا اگر تھا بھی تو ان لوگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ پھر اس واقعہ کی مذمت بھی پوری مسلم قوم نے کی تھی۔ اس کے باوجود بمبئی بم دھماکوں کے فوری بعد بھارتی نظام نے مسلمانوں کو سبق سکھانے کی ایک سازش تیار کی اور اس وقت سے آج تک مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے جھوٹے الزامات کے تحت گرفتار کیا جا رہا ہے اور اکثر سہراب الدین شیخ کی طرح انکاؤنٹر کے نام پر گولی ماردی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے معاملات میں انصاف کے طلبگار کو بھی دہشت گردوں کا ایجنٹ قرار دے دیا جاتا ہے۔

یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو کسی طرح رکنے کا نام نہیں لے رہا۔ دہشت گردی کے نام پر بمبئی کے درجنوں بے قصور مسلم نوجوانوں کو 1993ء میں بمبئی بم دھماکوں کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور ان کو جیلوں میں طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ نہ جانے کتنے بے قصور آج بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اس وقت سے آج تک کبھی لوکل ٹرین بم دھماکوں کے نام پر اور کبھی مالیگاؤں بم دھماکوں کے نام پر نہ جانے کتنے سہراب الدین جیسے نوجوانوں کو جہادی تنظیموں کا ایجنٹ کہہ کر پولیس مقابلے میں مارا جاچکا ہے۔ اس کے علاوہ پولیس جن مسلمانوں کو چاہتی ہے، دہشت گردی کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کردیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اذیت دینے کیلئے پولیس پہلے تھرڈ ڈگری استعمال کرتی ہے اور بعد میں پولیس مقابلے کے نام پر انہیں قتل کردیتی ہے۔ یہ تو سہراب الدین کے بھائی کی لگن اور جستجو تھی جس کے سبب سپریم کورٹ کی جانب سے ایکشن لیا گیا ورنہ نہ جانے کتنے غریب مسلم خاندان ایسے بھی ہیں، جنہیں آج تک کوئی انصاف نہیں دلا سکا اور وہ دہشت گردی کے الزام کے خوف کے سائے میں خاموشی سے اپنی دکھ بھری زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

آخر اس ملک میں دہشت گرد قرار دے کر سہراب الدین شیخ جیسے مسلم نوجوانوں کو

موت کی نیند کیوں سلایا جا رہا ہے؟ دراصل یہ سنگھ پریوار اور اس کے زیر سایہ چلنے والے نظام کی مسلم مخالف سازش کا حصہ ہے۔ اس سازش کا اہم مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگا کر ان کو نفسیاتی طور پر خوفزدہ کیا جائے 1947ء میں انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بھارتی نظام نے مسلمانوں میں خوف اور احساسِ کمتری پیدا کرنے کیلئے باقاعدہ ایک حکمت عملی تیار کی تھی۔ اس حکمت عملی کے تحت پہلے ملک کے اکثر شہروں میں آئے دن مسلم کش فسادات کروائے گئے' پھر بھارتی مسلمانوں کو ''پاکستانی'' کا لقب دے کر ''غدارِ وطن'' کہا جانے لگا۔

1970ء کی دہائی کے بعد جب نئی مسلم نسل میں کچھ اعتماد پیدا ہونا شروع ہوا تو بابری مسجد کا ہوا کھڑا کر کے مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے باوجود بھی جب مسلمانوں نے اپنا جمہوری حق یعنی حق رائے دہی کا استعمال عقلمندی سے کیا اور پسماندہ ذاتوں اور دلتوں کے ساتھ ہاتھ ملا کر بی جے پی کو شکست سے دوچار کیا تو نریندر مودی جیسے لیڈروں نے مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانا شروع کر دیا۔

دراصل ہندو فرقہ پرست تنظیموں کو بھارتی مسلمانوں سے اس بات کا خوف ہے کہ آج نہیں تو کل اس ملک کا مسلمان اپنے جمہوری حقوق کا استعمال کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے' اسی لئے اس ملک کا نظام مسلمانوں میں پیدا ہونے والی خود اعتمادی کو روکنے کیلئے گاہے گاہے نئی حکمت عملی تیار کرتا رہتا ہے۔ کبھی فسادات کے ذریعے تو کبھی بابری مسجد اور رام مندر جیسے تنازع کے ذریعے اس ملک کے مسلمانوں کو خوفزدہ کر کے ان میں احساسِ کمتری اور خوف و دہشت پیدا کرنا ہی بھارت کا اولین مقصد ہے۔ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر انہیں جیل میں سڑنے کیلئے ڈال دینا اور سہراب الدین جیسے بے قصور نوجوانوں کو قتل کرنا اس نظام کی حکمتِ عملی کا ایک اہم حصہ ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں مسلمانوں کو کبھی پاکستانی کہہ کر' کبھی رام کا دشمن قرار دے کر اور

کبھی دہشت گرد بتا کر یہ فرقہ پرست نظام ہندوؤں میں مسلم نفرت کے ذریعے ہندو قومیت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اب تو یہ فرقہ پرست نظام منڈل انقلاب کے بعد سے پسماندہ ذاتوں اور دلتوں کے عروج سے بھی خائف ہے۔ اس کو اب یہ خطرہ نظر آ رہا ہے کہ اگر ہندوؤں میں ہندو قومی جذبہ پیدا نہ کیا گیا تو یہاں کی اکثریت ذاتوں میں بٹ کر اعلیٰ ذات کی سیاسی، سماجی اور معاشی اہمیت کو ختم کر سکتی ہے اور اس عمل کو اسی وقت روکا جا سکتا ہے جب عام ہندوؤں میں ایک فرضی دشمن پیدا کیا جائے تاکہ وہ اس فرضی دشمن کے ڈر سے متحد ہو جائیں اور ہندو جذبہ کے تحت بی جے پی جیسی تنظیم کے حق میں اپنے ووٹ کا استعمال کریں۔ پھر اس خوف اور ووٹ کا اثر یہ ہوگا کہ نریندر مودی جیسے لوگوں کو تخت و تاج کا مالک بنا دیا جائے گا۔

بھارت کے سیکولر آئین نے ہر قوم کو برابر کے شہری حقوق دیئے ہیں۔ اسی لئے بھارتی مسلمانوں کو فرقہ پرستوں کی ''مسلم ڈراؤ'' حکمتِ عملی کے خلاف اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھنی چاہئے اور خود کو خوف کے حصار سے باہر نکال کر سہراب الدین جیسے بے قصور افراد کی موت کے خلاف اپنی آواز بلند کرنی چاہئے۔ اگر ایک سہراب الدین کے معاملے میں سپریم کورٹ سے انصاف مل سکتا ہے تو آئینی جدوجہد کے ذریعے مسلمان آگے بڑھ کر اپنے لئے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔[86]

''کانگرس نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ تمام اقلیتوں اور تہذیبوں کو کچل کر ہندو راج قائم کرے''

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ 26 تا 29 دسمبر 1938ء بمقام پٹنہ اپنے صدارتی خطبہ میں دوٹوک اعلان فرمایا: ''خواتین و حضرات! اب میں مسلم لیگ کی صورتِ حال کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ صرف تین برس قبل ہم نے بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی حکمتِ عملی اور اس کا پروگرام وضع کیا تھا۔ اس وقت صورتِ

حال یہ تھی کہ مسلمانوں کا روشن خیال طبقہ جو اُس جہت میں پیش پیش تھا جسے سیاسی زندگی کہا جاتا ہے‘ ان میں سے بیشتر‘ میں سب نہیں کہتا‘ فکرِ معاش کے چکر میں تھے۔ وہ اپنی سہولت کے مطابق اپنا مقام تلاش کر لیتے۔ یہ مقام یا تو نوکر شاہی کا کیمپ ہوتا یا دوسرا کیمپ یعنی کانگرسی کیمپ۔ جنہوں نے یہ سوچا کہ وہ نوکر شاہی کے کیمپ میں شامل ہو کر اپنے حالات بہتر بنا سکتے ہیں‘ وہ اس میں داخل ہو گئے۔ دوسروں نے خیال کیا کہ انہیں کانگرسی کیمپ میں اختیار اور طاقت حاصل ہو جائے گی‘ وہ ادھر چلے گئے۔ ان کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ وہ اپنے لئے بہترین معاش کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ جہاں تک عوام کا اور میرے عزیز دوستوں یعنی مسلمان نوجوانوں کا تعلق ہے‘ ان سب کی نظریں کانگریس کے جھوٹ نے خیرہ کر رکھی تھیں۔ نوجوان نعرے بازی پر اعتبار کر لیتا ہے۔ کانگریس نے ان کے لئے جو دامِ ہم رنگِ زمین پھیلایا تھا‘ وہ اس کے اسیر ہو چکے تھے۔ وہ اس غچے میں آ گئے تھے کہ کانگریس مادرِ وطن کی آزادی کی خاطر لڑ رہی ہے۔ چونکہ وہ خود دیانتدار تھے‘ اس لئے وہ یہ یقین نہیں کر سکے کہ اور لوگ غیر دیانتدار بھی ہو سکتے ہیں۔ انہیں یہ باور کرا دیا گیا کہ اصل مسئلہ تو اقتصادی ہے اور یہ کہ وہ مزدوروں اور کسانوں کے دال بھات کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ان کے خالص اور سادہ ذہن آسانی سے کانگریس کے دجل و فریب کا شکار ہو گئے۔ جب ہم لوگوں نے جو کانگرس کے اصل کھیل کو سمجھ گئے تھے اور جو کانگریسی رہنماؤں کی چالوں کا اصل مطلب سمجھتے تھے‘ انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ انہیں گمراہ کیا جا رہا ہے تو ہمیں رجعت پسند‘ فرقہ پرست اور نہ جانے اور کیا کیا کچھ کہا گیا۔

1936ء میں یہ صورتِ حال تھی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ اب حالات بدل گئے ہیں۔ ایک بات بغیر کسی شک وشبہ کے بالکل واضح کی جا چکی ہے کہ کانگرس ہائی کمان مسلمانوں کو محض کانگرس کا نوکر بنا دینا چاہتی ہے۔ انہیں کانگرسی رہنماؤں کا اردلی بنا دینا چاہتی ہے۔ کانگرس اپنا مطلب نکل جانے کے بعد انہیں استعمال کرنا‘ ان پر

حکمرانی کرنا اور اپنے جوتے تلے دبا کر رکھنا چاہتی ہے۔ کانگرسی رہنما چاہتے ہیں کہ مسلمان غیر مشروط طور پر ہندو راج کے سامنے سپر انداز ہو جائیں۔ یہ کھیل پوری طرح سے آشکار ہو گیا ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب کانگرس نے فسطائیت کے عین شاہی طریقے کے مطابق ہندو مسلم سمجھوتے کی ہر امید کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ کانگرس اسلامیانِ ہند کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتی۔ جیسا کہ صدر مجلسِ استقبالیہ نے اپنے خطبے میں کہا کہ کانگرس چاہتی ہے کہ مسلمان سمجھوتے کو اکثریت کی جانب سے ایک تحفہ سمجھ کر قبول کریں۔ کانگرس ہائی کمان یہ ناقابلِ فہم دعویٰ کر رہی ہے کہ انہیں پورے ہند کی طرف سے بات کرنے کا اختیار ہے اور یہ کہ وہ تنہا ایفائے عہد کی اہلیت کے مالک ہیں۔ دوسروں سے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جلیل القدر فرمانروا کی جانب سے تحفہ قبول کریں۔ کانگرس ہائی کمان نے اعلان فرمایا کہ وہ مسلمانوں کی شکایات دور کر دیں گے اور وہ یہ توقع کرتے ہیں کہ مسلمان اس اعلان کو قبول کر لیں گے۔ اسلامیانِ ہند نے یہ عزم کر لیا ہے کہ ہم اپنے پورے حقوق لے کر رہیں گے لیکن ہم انہیں حقوق کی شکل میں لیں گے، تحفوں اور مراعات کی صورت میں نہیں۔

جیسا کہ میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس ملک میں چار قوتیں سرگرم عمل ہیں:- اول: برطانوی حکومت، دوم: ہندی ریاستوں کے فرمانروا اور ان کے عوام، سوم: ہندو، چہارم: مسلمان۔ کانگرسی اخبارات جتنا چاہیں، شور مچائیں۔ وہ اپنے صبح کے، سہ پہر کے، شام کے اور رات کے ایڈیشن نکالیں۔ کانگرسی رہنما جتنا چاہیں چیخیں چلائیں کہ کانگرس ایک قومی تنظیم ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ سچ نہیں ہے۔ کانگرس ایک ہندو تنظیم کے سوا کچھ نہیں۔ یہی سچائی ہے اور کانگرسی رہنماؤں کو اس کا علم ہے۔ چند مسلمانوں کی موجودگی، چند گمراہ اور بھٹکے ہوئے اور چند بدنیت لوگ اسے ایک قومی تنظیم نہ بناتے ہیں، نہ

بنا سکتے ہیں۔ کانگرس بلا شبہ ملک کی ایک سب سے بڑی جماعت ہے لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کانگریس اپنے لئے جو چاہے لقب اختیار کر لے' جو چاہے دعوے کر لے لیکن اس طرح کے دعوؤں کی وجہ سے کانگرس کی اصل ہیئت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ یہ جو ہے 'سو رہے گی۔ زیادہ تر ایک ہندو تنظیم۔

اس طرح کے دعوؤں سے کچھ لوگوں کو وہ کچھ عرصے کے لئے فریب دے سکتے ہیں لیکن سب لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فریب میں مبتلا نہیں کر سکتے اور یقیناً مسلمانوں کو تو مزید دھوکہ نہیں دے سکتے۔ مجھے تو یقین ہے--- میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ کو بھی یقین ہو گیا ہو گا اور وہ بہت سے لوگ جنہیں اب تک یقین نہیں آیا' انہیں بھی بہت جلد یقین آ جائے گا اور انہیں جو دیانتداری کے ساتھ اس وقت غلطی کا شکار ہیں' یقین ہو جائے گا۔ ان کو نہیں جو بد دیانتی کے ساتھ اپنی رائے پر قائم ہیں کہ کانگرس ایک قومی تنظیم ہے۔ یہ ہمارے ملک کی بدنصیبی ہے' فی الحقیقت یہ ایک المیہ ہے کہ کانگرس ہائی کمان نے یہ تہیّہ کر رکھا ہے' پورا عزم کر رکھا ہے کہ وہ اس ملک میں دیگر تمام اقلیتوں اور تہذیبوں کو کچل کر رکھ دے اور ہندو راج قائم کرے۔ وہ بات تو سوراج کی کرتے ہیں لیکن ان کا مطلب صرف ہندو راج ہوتا ہے لیکن بلبلے میں ذرا جلدی ہی سوراخ ہو گیا۔ نئے دستور کے تحت حاصل ہونے والے اقتدار کے نشہ میں بدمست' 6 یا 7 صوبوں میں اکثریت مل جانے سے کانگرس کا پردہ ذرا جلدی ہی چاک ہو گیا۔ جب اسے اقتدار حاصل ہوا تو کانگرس نے کیا کیا؟ قوم پرستی کے ڈھونگ کے باوصف اس نے سیدھا بندے ماترم سے آغاز کر دیا۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ بندے ماترم قومی ترانہ نہیں ہے لیکن اسے اسی حیثیت سے گایا جاتا ہے اور دوسروں پر ٹھونسا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف ان کے اپنے اجتماعات میں گایا جاتا ہے بلکہ گورنمنٹ اور میونسپل سکولوں کے مسلمان بچوں کو بھی اسے گانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مسلمان بچوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ بندے ماترم کو قومی گیت تسلیم کریں' کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کے مذہبی عقائد انہیں

ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ یہ ایک بت پرستانہ اور مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز نغمہ ہے۔

کانگرس کے پرچم کے معاملے کو ہی لیجئے۔ مسلمہ طور پر یہ ہند کا قومی پرچم نہیں ہے۔ تاہم ہر شخص کو اس پرچم کا احترام کرنا ہوگا اور ہر سرکاری اور عوامی عمارت پر اس کو لہرایا جائے گا۔ اگر مسلمان اعتراض کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں، کانگرسی پرچم کی ہند کے قومی پرچم کی حیثیت سے نمائش ہونی چاہئے اور مسلمانوں پر مسلط کیا جانا چاہئے۔

پھر ہندی- ہندوستانی کے معاملے کو لے لیجئے۔ اس موضوع پر صدر مجلسِ استقبالیہ جو کچھ کہہ چکے ہیں، مجھے اس میں اضافے کی ضرورت نہیں۔ کیا کسی شخص کے ذہن میں اب بھی کوئی شبہ ہے کہ ہندی-ہندوستانی کی پوری سکیم کا مقصد اردو کا گلا گھونٹنا اور اسے دبانا ہے؟ (آوازیں: بے شک)

اس کے بعد وردھا کی تعلیمی سکیم کو لے لیجئے۔ جب یہ سکیم تیار کی جارہی تھی تو کیا مسلمانوں کو اس ضمن میں اعتماد میں لیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو پس پشت رکھ کر پوری سکیم تیار کی گئی اور اس کی جملہ تفصیلات طے کی گئیں۔ اس کے پیچھے کون ذہین و فطین شخصیت ہے؟ مسٹر گاندھی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں کہ یہ مسٹر گاندھی ہی ہیں جو اس نصب العین کو تباہ کر رہے ہیں جس سے کانگرس نے آغاز کیا تھا۔ وہ واحد شخص ہیں جو کانگرس کو ہندومت کے احیاء کے لئے ایک آلۂ کار میں تبدیل کر دینے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا منتہائے مقصود ہندومت کا احیاء اور اس ملک میں ہندو راج قائم کرنا ہے اور وہ اس مقصد کو آگے بڑھانے کی خاطر کانگرس کو استعمال کر رہے ہیں''۔ [87]

بھارت میں ہندو بنیاد پرستی: اقلیتوں کے خلاف سازشیں

کلدیپ نیّر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ ممتاز صحافی اور تجزیہ نگار ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اُنہوں نے بھارت کے نام نہاد سیکولرازم کا تجزیہ کرتے ہوئے بھارتی

مسلمانوں کے ساتھ ناروا اور انسانیت سوز سلوک کا جائزہ پیش کیا ہے:-

بھارت میں ہندو بنیاد پرستی عروج پر پہنچ چکی ہے۔ انتہا پسند ہندو سیاسی جماعتیں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جمہوریت اور بنیاد پرستی کبھی ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ بھارتی صحافی اور راجیہ سبھا کے سابق رکن کلدیپ نیّر نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بی جے پی جیسی انتہا پسند جماعتیں جس ڈگر پر چل رہی ہے، وہ جمہوری طرزِ عمل کے بالکل متضاد ہے۔ ذیل میں کلدیپ نیّر کے ایک تجزیاتی مضمون کا خلاصہ پیش ہے:-

''بھارتی سیاسی جماعت بی جے پی کے بارے میں پہلے یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ اس جماعت کے سبھی لوگ انتہا پسند نہیں ہیں تاہم بی جے پی کے رہنما لال کرشن ایڈوانی نے اس خیال کی سختی سے تردید کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ ان کی جماعت کے سبھی لوگ ایک جیسی سوچ کے حامل ہیں۔ میڈیا کی جانب سے بی جے پی کے بارے میں پھیلائے جانے والے اس تاثر کی وجہ سے یہ امید تھی کہ ایک دن بھارتیہ جنتا پارٹی اس بات کا اعتراف کر لے گی کہ نہ تو جدید دور کو عہدِ وسطیٰ کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے اور نہ ہی مذہب کو سیاسی معاون کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس نکتہ پر پاکستان کی مثال کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جس ملک کو مذہب کے نام پر حاصل کیا گیا، اس کے بانی قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے پہلے ہی خطاب میں اقلیتوں کی مذہبی آزادی کا تعین کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ ''مذہب کی آڑ میں سیاست نہیں کی جائے گی''، لیکن بھارتیہ جنتا پارٹی اسی فرسودہ اصول پر گامزن ہے۔ بی جے پی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس جماعت کا کوئی سماجی یا اقتصادی ایجنڈا ہے ہی نہیں، وہ صرف بھارتی اقلیتوں کو اذیت پہنچانے اور تنہا کرنے کے حربے تلاش کر رہی ہے لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ مذہب کبھی سیاسی مدد کا طلب گار نہیں ہوتا اور یہ بات بھارت پر دیگر جنوبی ایشیائی ممالک کی نسبت زیادہ واضح ہے۔ حالیہ انتخابات میں بی جے پی کی ناکامی کی وجہ بھی یہی تھی کہ عوام بی جے پی کے چھ سالہ دورِ حکومت میں اپنائی گئی

پالیسیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ بی جے پی کے دور میں مسلمانوں کو نہ تو روزگار کے مواقع ملے، نہ ہی رہائش کے مسائل حل ہو پائے۔ اس قسم کے حالات کا مقصد ہندو ذہنیت کو تسکین بخشنا تھا۔ چند برس قبل ہی گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی نے سینکڑوں مسلمانوں کو شہید اور ہزاروں کو بے گھر کروایا تھا۔

آزادئ ہند کے بعد بھارت میں سیکولرازم کا چرچا رہا لیکن بی جے پی نے اس روش کو تبدیل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ یہ جماعت یہ بھول گئی کہ جمہوریت اور انتہا پسندی ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ بی جے پی کے انتہا پسند تنظیم راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ سے مضبوط تعلقات ہیں۔ چند روز قبل بی جے پی نے راشٹریہ سوائم سیوک سنگھ کی عمارت میں ہی ایگزیکٹو میٹنگ کا اہتمام کیا تھا اور یقین دلایا تھا کہ سنگھ کے ارکان کو بے جے پی میں اچھے عہدے دیئے جائیں گے۔ بی جے پی کا اس بات پر بھی زور ہے کہ بابری مسجد کے مقام پر رام مندر تعمیر کرنا چاہئے۔

بی جے پی کے نظریات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جماعت اقلیتوں کے خلاف کس قدر تعصب رکھتی ہے۔ بی جے پی کی کوشش رہی ہے کہ ہر شعبے میں نسلی بنیادوں پر بھرتیاں کی جائیں اور معاشرے سے اقلیتوں کا صفایا کر دیا جائے۔ یہ کوششیں ملک کی اقتصادی ترقی کو بری طرح متاثر کرسکتی ہیں لیکن بی جے پی یہی چاہتی ہے کہ بھارت کو مکمل ''ہندو ریاست'' بنا دیا جائے اور اگر یہ کوششیں کامیاب ہوئیں تو پارلیمنٹ اور قانون ساز اسمبلیوں میں پیش کئے جانے والے ہر بل کی منظوری یا نامنظوری بھی مذہبی بنیادوں پر دی جائے گی۔

کلدیپ نیّر نے بی جے پی کی متعصّبانہ سوچ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے تاہم دیگر انتہا پسند ہندو جماعتیں بھی اسی روش پر چل رہی ہیں۔

شیو سینا کے رہنما بال ٹھاکرے کے بھتیجے راج ٹھاکرے نے مہاراشٹر نونرمان سینا کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی ہے جس کا ایجنڈا بہت حد تک شیو سینا جیسا ہی ہے۔

تاہم بال ٹھاکرے کا کہنا ہے کہ مہاراشٹر نونرمان کی کامیابی اور قسمت اس کے شیوسینا سے منسلک ہونے پر ہی منحصر ہوگی۔ بال ٹھاکرے نے شیوسینا کا انتظامی صدر اپنے بیٹے اودھیو کرے کوتو بنادیا تاہم رہنما کی حیثیت بال ٹھاکرے کو ہی حاصل ہے [88]۔

مکہ مسجد حیدرآباد دکن میں بم دھماکہ: بھارتی سیکولرازم کے لیے کھلا چیلنج

نام نہاد بھارتی سیکولرازم کا پردہ فاش

بھارتی شہر حیدرآباد کی تاریخی مکہ مسجد میں دھماکے اور بعدازاں پولیس کی مظاہرین پر فائرنگ سے زخمی ہونے والے مزید 2 افراد ہسپتال میں دم توڑ گئے۔ یوں اس سانحہ میں شہید ہونے والوں کی تعداد 16 ہوگئی ہے۔ ادھر مسلم تنظیموں کی اپیل پر حیدرآباد میں پہیہ جام ہڑتال کی گئی۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق علاقے میں کرفیو کا سماں ہے اور سخت کشیدگی پائی جاتی ہے۔ شہر کے بیشتر حصوں میں ''ریپڈ ایکشن فورس'' کے دستے تعینات کردیئے گئے اور حالات بالکل کرفیو جیسے ہوگئے۔ اس واقعے میں مرنے والوں کی تعداد سولہ ہوگئی ہے۔ مسلم تنظیموں اور بائیں بازو کی جماعتوں کی طرف سے ہڑتال کی اپیل کی گئی ہے جس کی وجہ سے تمام بازار بند رہے اور سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ ادھر پولیس نے اب یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ پانچ افراد اس کی گولی سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ہسپتال سے چار لاشیں ایسی ملی ہیں جن کے سینے پر گولیاں لگی ہیں۔ اس واقعہ میں تقریباً چالیس افراد زخمی ہوئے تھے جن میں سے دو کی حالت نازک بتائی جارہی ہے۔ ہفتہ کی صبح وزیر داخلہ شیوراج پٹیل نے مکہ مسجد کا دورہ کیا جہاں لوگوں نے ان کا محاصرہ کرلیا اور انہیں گھیرے میں لے کر حکومت کے خلاف زبردست نعرہ بازی کی۔ اُنہوں نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم حالات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مذہبی مقامات پر حملے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کیلئے کیے جارہے ہیں لیکن ہم انہیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ وزیراعلیٰ راج شیکھر ریڈی نے کہا ہے کہ بم

دھماکوں کے ذمہ داروں کا اگلے چوبیس گھنٹوں میں پتا لگایا جائے گا۔اُنہوں نے کہا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو پولیس فائرنگ کی تفتیش سی بی آئی سے کروائی جائے گی۔مجلس اتحاد المسلمین کے رہنما اسد الدین اویسی نے پولیس فائرنگ کے معاملے کی تحقیق مرکزی تفتیشی ادارے سی بی آئی سے کروانے کا مطالبہ کیا ہے۔اُنہوں نے کہا ہے کہ گزشتہ روز دھماکے کے بعد بھاگتے ہوئے لوگوں پر پولیس نے جس طرح فائرنگ کی اُس سے اب حیدر آباد پولیس پر لوگوں کا اعتماد نہیں رہا۔اُنہوں نے ان خبروں پر بھی سخت نکتہ چینی کی ہے جس میں بم دھماکوں کا الزام مسلم تنظیم سیمی اور جیش محمد پر عائد کیا گیا ہے۔اُنہوں نے کہا کہ یہ دھماکہ مالیگاؤں کے طرز پر سخت گیر ہندو نظریاتی تنظیموں کی طرف سے ہوا ہے جس کی تحقیق سی بی آئی کو کرنی چاہیے۔بقول ان کے پولیس اپنا کام آسان کرنے کیلئے بڑی آسانی سے مسلم تنظیموں کا نام لے لیتی ہے لیکن گزشتہ روز کے واقعات بتاتے ہیں کہ پولیس مسلمانوں کے حوالے سے کس قدر جانب دار ہے۔بی بی سی کے مطابق پولیس فائرنگ سے ہلاکتوں کے سبب لوگوں میں زبردست ناراضی پائی جاتی ہے۔خبر رساں ادارے اے ایف پی نے ریاست کے پولیس چیف ایم اے باسط کے حوالے سے بتایا ہے کہ دھماکے میں مہارت سے بنا ہوا گرنیڈ ٹائپ پائپ بم استعمال کیا گیا۔بہت امکان ہے کہ اسے شہر سے باہر کہیں سے لایا گیا تھا۔ہمارا اندازہ ہے کہ مساجد میں ہونے والے پچھلے دھماکوں کی طرح اس مرتبہ بھی موبائل فون کی مدد سے کیے گئے ہیں۔ذرائع کا کہنا ہے کہ دھماکوں میں استعمال ہونے والے بموں کو ایک نوکیا موبائل فون کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔فون کے سم کارڈ کی مدد سے اس کے مالک کو ڈھونڈنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

حیدر آباد میں بی بی سی کے نامہ نگار عمر فاروق کا کہنا ہے کہ پولیس فائرنگ سے ہلاکتوں کے سبب لوگوں میں زبردست ناراضگی پائی جاتی ہے۔خبر رساں ادارے کا کہنا ہے کہ شہر بھر میں جا بجا سوگ کے طور پر سیاہ جھنڈے لگائے گئے ہیں۔مرنے والے 14 افراد میں سے تیرہ کی لاشیں ان کے ورثاء عثمانیہ ہسپتال سے لے جا چکے ہیں۔اے پی کے مطابق آندھرا پردیش کے

وزیراعلیٰ راج شیکھر ریڈی نے بم دھماکوں کو امن اور سکون تباہ کرنے کی بین الاقوامی سازش قرار دیا ہے تاہم ابھی تک کسی گروہ نے تا حال ان دھماکوں کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔[89]

مسجد میں دھماکہ' بھارت کیلئے چیلنج

بھارت کے شہر حیدر آباد دکن کی تاریخی مکہ مسجد میں نماز جمعہ کے دوران ہونے والے بم دھماکے میں 13 افراد جاں بحق اور 35 زخمی ہوگئے جبکہ تین افراد احتجاجی مظاہرے میں پولیس کی فائرنگ میں مارے گئے۔ بم دھماکے کے بعد شہر کے کئی علاقوں میں کشیدگی پھیل گئی۔ اس دوران حکومت نے مہاراشٹر اور اتر پردیش سمیت کئی شہروں میں ہائی الرٹ کا اعلان کر دیا۔ تفتیش کاروں کے مطابق سمجھوتہ ایکسپریس اور جامع مسجد میں بھی اسی طرح کا دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا تھا۔

بھارت میں کسی بھی عبادت گاہ میں ہونے والی تخریب کاری کے ہمیشہ ہی کچھ مقاصد رہے ہیں۔ خاص طور پر مسلمان تو بھارت کی آزادی سے لیکر اب تک ایسی تخریبی کارروائیوں کا نشانہ بنتے آئے ہیں۔ یہ واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس پر روشنی ڈالنے سے قبل دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور سیکولرازم کے مدعی بھارت کا اصل چہرہ دیکھنا ضروری ہے کہ جہاں نہ مساجد محفوظ ہیں' نہ گرجا گھر اور نہ ہی گوردوارے۔ بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ بھی سب کے سامنے ہے' گرجوں پر حملے بھی کسی کو نہیں بھولے اور گولڈن ٹیمپل پر آپریشن بلیو سٹار بھی دنیا ابھی تک نہیں بھلا پائی اور اس سب کی وجہ محض ہندوتوا ہے جس کی سیاست کی بنیاد ہی اقلیتوں کی مخالفت بلکہ مسلم دشمنی رہی ہے' یہ مسلم دشمنی ہی تھی جس کو ہوا دے دے کر بھارت کی انتہا پسند جماعتوں کے اشتراک سے بھارتیہ جنتا پارٹی برسر اقتدار آئی تھی۔

حیدر آباد دکن کی تاریخی مسجد میں ہونے والے بم دھماکے بھی اسی ہندو انتہا پسندی کا شاخسانہ ہیں اور اس کی وجہ وہاں ہونے والے حالیہ انتخابات ہیں جس میں مسلمانوں کی

حمایت سے بہوجن پارٹی نے انتخابات میں کامیابی حاصل کر لی اور وہ ذات جو کل تک اچھوت تھے' آج حکمران ہیں اور برہمن جو کل تک دلتوں کو اپنے مندروں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے آج مایاوتی جیسی سیاسی رہنما کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ اسی پارٹی سے الحاق پر مسلمانوں کو بھی اتر پردیش کے انتخابات میں قابلِ ذکر کامیابی حاصل ہوئی۔ اتر پردیش کے انتخابات میں مسلمانوں نے اس امیدوار کو ووٹ دیئے جو بی جے پی کے مقابل تھا۔ اتر پردیش کے مسلمانوں کی ان انتخابات میں حکمتِ عملی کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ ہر حال میں بی جے پی کو ہرایا جائے اور مسلمانوں کو جتوایا جائے چاہے وہ کسی بھی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں۔ یوں اتر پردیش کی اسمبلی میں جتنے مسلمان اب کامیاب ہوئے ہیں' اس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ ظاہر ہے کہ ایسے انتہا پسند ہندو مسلمانوں کی کامیابی کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جن کی سیاست کی بنیاد ہی مسلم دشمنی ہے۔

مکہ مسجد بم دھماکہ کے تفتیش کاروں کے بیان سے کہ مسجد میں ہونے والے بم دھماکے میں بھی وہی مواد استعمال کیا گیا جو جامعہ مسجد اور سمجھوتہ ایکسپریس کے سانحوں میں استعمال کیا گیا' صورتحال کو واضح کر دیتا ہے کہ دراصل اس کے پیچھے کون عناصر کارفرما ہیں۔

یہاں یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ انتہا پسند ہندو جو اکثر ہندوؤں کی بڑی ذاتوں سے متعلق ہیں' کسی بھی صورت دونوں ملکوں کے بہتر تعلقات کے خواہاں ہیں نہ بھارت میں مسلمانوں کے استحکام کے۔ سمجھوتہ ایکسپریس میں دھماکہ تب ہوا جب مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بہتر پیش رفت کا امکان تھا اور مکہ مسجد میں تب جبکہ اتر پردیش کے انتخابات میں مسلمان بہتر پوزیشن میں سامنے آئے۔ بھارت اب بھی اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس دھماکے کا الزام اصل مجرموں کے بجائے کسی اور کے سر تھوپ دے تو الگ بات ورنہ یہ تو عیاں ہو چکا ہے کہ اس دھماکے اور سمجھوتہ ایکسپریس کے سانحے کے پیچھے انتہا پسند ہندوانہ سوچ کارفرما ہے۔ یہی سوچ بم دھماکے کے بعد مسلمانوں کے احتجاجی جلوس

پر پولیس کی فائرنگ میں بھی عیاں رہی جس میں تین افراد جاں بحق ہو گئے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ بھارت اب اپنی ہٹ دھرمی سے باز آئے اور بم دھماکے کے اصل مجرموں کو بے نقاب کرے ورنہ اس کی جمہوریت اور سیکولرازم کا مزید پول کھل جائے گا اور اگر اس کی یہی روش جاری رہی تو اس ملک کے اندر آزادی حاصل کرنے کیلئے درجن بھر سے زائد تحریکیں بھی وہی متشدد طریقۂ کار اختیار کرنا شروع کر دیں گی جو بھارتی حکومتیں اقلیتوں کو دبانے کیلئے اختیار کرتی چلی آئی ہیں۔ بھارت کی جمہوریت پسندی اور سیکولرازم کیلئے یہ ایک چیلنج ہے کہ وہ ان عناصر کو بے نقاب کر کے سزا دے جو اقلیتوں کو تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں۔[90]

بھارت کا خاتمہ

خوشونت سنگھ 1915ء میں پنجاب میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے گورنمنٹ کالج، لاہور، کنگز کالج اور اِنر ٹمپل لندن سے تعلیم حاصل کی۔ کئی سال تک لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس کرتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد 1947ء میں بھارتی وزارتِ خارجہ سے منسلک ہو گئے۔ 1951ء میں اُنہوں نے صحافیانہ زندگی شروع کی چنانچہ اُنہوں نے ''یوجنا'' کے بانی مدیر السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا، نیشنل ہیرلڈ اور ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ بھارت کے بہترین کالمسٹ اور صحافی شمار ہوتے ہیں۔

وہ ایک ممتاز قلم کار اور ادیب ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ''ٹرین ٹو پاکستان'' ان کی مشہور و معروف کتاب ہے۔

ذیل میں ہم ان کی تصنیف ''بھارت کا خاتمہ'' میں سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں جن سے قارئین کرام پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ بھارت ازل سے ہی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا جانی دشمن ہے اور اس نے پاکستان کو تسلیم نہیں کیا نیز وہ

بھارت میں صرف اور صرف ہندو راج چاہتا ہےلیکن اس کا یہی اقدام اس کے خاتمے پر منتج ہوگا:-

These are dark times of India. The carnage in Gujrat, Bapu Gandhi's home state, in early 2002 and the subsequent landslide victory of Narendra Modi in the elections will spell disaster for our country. The fascist agenda of Hindu fanatics is unlike anything we have experienced in our modern history. After Partition I had thought we would never again experience a similar holocaust. I may be proved wrong. Far from becoming mahaan (great), India is going to the dogs, and unless a miracle saves us, the country will break up. It will not be Pakistan or any other foreign power that will destroy us; we will commit hara-kiri.

There are now several other Hindu organizations as, if not more, militant than the RSS. There is the Shiv Sena led by the rabblerouser Bal Thackerey, an admirer of Adolf Hitler. He started with a movement called 'Maharashtra of Maharashtrians' aimed at ousting South Indians from Bombay. His mission soon changed to ousting Muslims from India. In the last decade or so he has spread his tentacles across the country and boasts of his sainiks taking the leading part in destroying the mosque in Ayodhya. Perhaps as reward he has his quota of ministers in the central government. Besides the Shiv Sena, there are the more

mischievous Bajrang Dal and the Vishva Hindu Parishad, currently leading the agitation to build a Ramjanmabhoomi temple on the exact site where the now-destroyed Babri Masjid stood - no matter what the government or the courts of law have to say. This is typical. Most members of the extended Sangh Parivar regard themselves above the law of the land. They have arrogated to themselves the right to decide the fate of one billion Indians.

It is ironic that the highest incidence of violence against Muslims and Christians has taken place in Gujarat, the home state of Bapu Gandhi. It has been going on for years. Before the 2002 riots, Christian missionaries were being attacked in the tribal districts of the state. There were reports of violence and intimidation coming in almost every day. We will see more of that.

Reports of the Minorities Commission substantiate what has appeared in the national press. For those interested, photographic evidence of destroyed churches, dargahs, Muslim homes and shops is available. Among the most ludicrous is the State - sponsored attempt to wipe out remanants of Muslim presence. I first saw this in 1998. Gujarat's capital, Ahmedabad, was built by a Muslim ruler in the middle ages. I noticed that milestone on the main highway leading to the city had dropped Ahmed from its name and made it into Amdavad.

The birth of Hindu nationalism took place in

Renaissance Bengal in 1886 with the Hindu melas. The primary objective of these melas was to train young Hindus in the martial arts, the use of lathis, daggers and swords. Non-Hindus were not allowed to participate. There was Swami Dayanand Saraswati's Arya Samaj movement with its emphasis on Shuddhi - Dayanand's objective to re-establish the golden age of Hinduism encouraged reconversion of Muslims and Christians back to its fold.

With Independence came Partition and the worst communal violence in India's history. I was a witness to that madness, and I thought the nation was coming to an end. In the first week of August 1947, I was in Lahore. In second half of the same month I was in Delhi. I did not know which country I belonged to, India or Pakistan. I was born in a village deep in the heart of what became Pakistan. I expected to live the rest of my life in Lahore. I sympathized with Muslims who wanted a separate state of their own, and had reconciled myself to living and prospering in that Muslim State.[91]

حوالہ جات

1- Foreign Relations of The Holy Prophet Muhammad by Dr. Muhammad Hameed-ullah. Institute of Indo-Middle East Cultural Studies, Hydrabad-AP.,1986. P v and vi.

2- The 100: A Ranking of the Most Influentail Persons in History, by Michael H. Hart. New York, Hart Publication Co: N.D. Pages.33-40

3- ضیاء النبیؐ مؤلفہ پیر محمد کرم شاہ، جلد سوم ضیاء القرآن پبلی کیشنز 1413ھ/1991ء صفحہ 199

4- عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ صفحہ 99

5- The Historians History of the World, by Well Hausen. Vol. VIII. Page 291

6- ضیاء النبیؐ مؤلفہ پیر محمد کرم شاہ، جلد سوم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 1413ھ/1991ء صفحہ 201

7- اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد 19-لاہور، دانش گاہ پنجاب 1986ء صفحات 159تا166

8- حوالہ مذکورہ بالا

9- Majid Khadduri, The law of war and peace in Islam. London, 1940. Page 87.

10- W. Montgomery Watt, Muhammad: Prophet and Statesman. Oxford, 1961. Page 96.

11- Muhammad Husayn Haykal, Hayat-i-Muhammad. Cario, 1947. Page 227

12- خطبات بہاولپور مؤلفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ لاہور، بیکن بکس 2005ء صفحات 323 تا 336

13- ماہنامہ فاران سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر جنوری 1956ء صفحات 148-154

14- حیات محمدؐ مولف: محمد حسین ہیکل۔ اردو ترجمہ: ابو یحییٰ امام خاں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور۔ بار سوم 1987ء۔ صفحات 268تا270

-15 پیغمبر انسانیت۔ مولف: مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی۔ صفحہ 178تا179۔ طبع سوم: 1990ء۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ لاہور

-16 رسالہ آتش فشاں قائداعظمؒ نمبر 1976ء تنقیدی جائزہ جناب منیر احمد منیر

-17 ماہنامہ ''روح بلند'' لاہور۔ نومبر 2006' جلد 1 عدد 15' صفحات 47تا52

-18 پروفیسر محمد یونس ''روزنامہ نوائے وقت لاہور' مارچ 2007ء

-19 ماہنامہ روح بلند لاہور' دسمبر 2006ء' جلد 4 عدد 2' صفحات 30تا32

-20 اُردو دائرہ معارف اسلامیہ' جلد 22/14' 1982ء' صفحہ 24

-21 خطبات قائداعظمؒ مرتبہ رئیس احمد جعفری مقبول اکیڈیمی لاہور' صفحات 143-144

-22 خطبات قائداعظمؒ مرتبہ رئیس احمد جعفری' صفحات 93تا99

-23 قائداعظمؒ کے آخری لمحات مؤلفہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ' مترجمہ اشرف عطا' صفحہ 54

-24 حوالۂ مذکور' صفحہ 66

-25 حوالۂ مذکور صفحہ 67

-26 حوالۂ مذکور صفحات 100تا102

-27 حوالۂ مذکور صفحات 117تا126

-28 حوالۂ مذکور صفحات 135تا137

-29 حوالۂ مذکور صفحات 162تا166 Evolution of Muslim Political Thought in India, Vol. 3, ed. by A.M. Zaidi. New Delhi, 1977. Pages 33-35

-30 قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات' جلد دوم 1996ء صفحہ 426

-31 اسلام اور قائداعظمؒ مؤلفہ محمد حنیف شاہد 1992ء صفحہ 75

-32 قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات' جلد دوم 1996ء صفحات 499تا500

-33 حوالۂ مذکور صفحات 519تا520

-34 حوالۂ مذکور جلد سوم 1996ء صفحہ 135

35- اسلام اور قائداعظمؒ مؤلفہ محمد حنیف شاہد 1992ء صفحات 106 تا 107

36- حوالۂ مذکور صفحہ 82

37- قائداعظم: تقاریر و بیانات، جلد چہارم 1998ء، صفحات 493 تا 494

38- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد سوم 1997ء، صفحات 39 تا 40

39- حوالہ مذکور، صفحات 479 تا 480

40- حوالۂ مذکور، صفحات 121 تا 122

41- حوالۂ مذکور، صفحات 134 تا 135

42- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد سوم 1998ء، صفحات 195، 196

43- حوالۂ مذکور، صفحہ 279

44- حوالۂ مذکور، صفحہ 337

45- حوالۂ مذکور، صفحہ 480

46- قائداعظمؒ اور اقلیتیں مرتبہ چمن لعل کنڈیار۔ لاہور، پاکستان بالمیک اکیڈیمی 1976ء، صفحہ 16

47- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد دوم 1996ء صفحہ 465 اور 470

48- حوالۂ مذکور صفحہ 465 اور 471

49- حوالۂ مذکور، جلد چہارم 1998ء صفحہ 256

50- حوالۂ مذکور، صفحات 314 تا 315

51- حوالۂ مذکور، صفحہ 397

52- حوالۂ مذکور

53- حوالۂ مذکور

54- حوالۂ مذکور، صفحہ 88

55- حوالۂ مذکور، صفحہ 391

56- حوالۂ مذکور، صفحات 361 تا 362

57- حوالۂ مذکور، صفحہ 368

58- حوالۂ مذکور، صفحہ 497

59- حوالۂ مذکور، صفحات 401 تا 402

60- حوالۂ مذکور

61- حوالۂ مذکور

62- حوالۂ مذکور، صفحہ 412

63- حوالۂ مذکور، صفحہ 492

64- حوالۂ مذکور، صفحات 453 اور 460

65- حوالۂ مذکور

66- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد چہارم، صفحات 365 تا 366

67- حوالۂ مذکور، صفحہ 374

68- حوالۂ مذکور، صفحات 374 اور 378

69- حوالۂ مذکور، صفحات 380 تا 382

70- حوالۂ مذکور، صفحات 405 تا 406

71- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد چہارم، 1998ء، صفحات 349 تا 351

72- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد چہارم، 1998ء، صفحات 405 تا 406

73- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد چہارم، 1998ء، صفحات 415 تا 417

74- Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muhammad Hanif Shahid. Lahore, Sang-i-Meel, 1976. Pages 165 - 169.

75- Civil and Military Gazette, Sept, 13, 1949 and Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muhammad Hanif Shahid, 1976. pages 227 - 228.

76- Civil and Military Gazette, Sept. 13, 1949 and

Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muhammad Hanif Shahid, 1976 page 229.

77- Civil and Military Gazette Sept. 13, 1949 and Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muhammad Hanif Shahid, 1976. pages 230.

78- Civil and Military Gazette, Sept. 13, 1949 and Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muhammad Hanif Shahid, 1976. page 231.

79- Civil a Military Gazette Sept., 13, 1949 and Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muahmmad Hanif Shahid, 1976 pages 233.

80- Civil and Military Gazette, Sept,13,1949 and Tributes to Quaid-i-Azam, ed. By Muhammad Hanif Shahid, 1976, page 234.

81- Quaid-i-Azam As Seen by his Contemporaries, ed. by. Jamil-ud-din Ahmed. 1966 Page 244.

82- ibid. page 245

83- ibid. page 246

84- ibid. page 246

85- ماہنامہ نظریۂ پاکستان دسمبر 2006ء صفحات 32 و 33

86- روزنامہ خبریں بابت 3 مئی 2007ء بمطابق 15 ربیع الثانی 1428ء (ایڈیٹوریل صفحہ)

87- قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات، جلد دوم، صفحات 276 تا 279

88- فیملی میگزین بابت 25 تا 31 مارچ 2007ء، صفحہ 9

89- روزنامہ خبریں 20 مئی 2007ء صفحات 1 و 4

90- روزنامہ خبریں (اداریہ) 20 مئی 2007ء صفحات 1 و 4

91- The End of India by Khushwant Singh. Surya, New Delhi, 2003. Pages 3-4, 12-13, 30-31, 43, 83-84 and 128.